تحفۂ اندلس

مسلمانوں کے فردوس گم شدہ ''مرحوم اندلس''، یعنی اسپین کی مختصر تاریخ، اس کے قابل عبرت مقامات: غرناطہ، قرطبہ، الحمراء، الزہراء وغیرہ کی قابل رشک ابتداء اور قابل اشک انتہاء کی تاریخ کا مختصر لائق مطالعہ مجموعہ۔ آخر میں: ۱۶/ علماء اندلس کا مختصر تذکرہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

فہرست رسالہ ''تحفۂ اندلس''

عرض مرتب............	۷
جبل طارق............	۱۰
طارق بن زیاد (حاشیہ)............	۱۰
راڈرک کاظلم اور عیسائیوں کی مسلمانوں سے مدد کی درخواست............	۱۱
موسیٰ بن نصیر (حاشیہ)............	۱۲
آپ ﷺ کی طرف سے طارق بن زیاد کو خواب میں فتح کی بشارت............	۱۳
اندلس کے میدان جنگ میں طارق کی دعا............	۱۴
کشتیاں جلانے کا واقعہ اندلس کے ابتدائی مستند مآخذ میں نہیں ہے (حاشیہ)..	۱۴
طارق بن زیاد کا تاریخی خطبہ............	۱۵
یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے............	۱۸
قرطبہ اور مسجد قرطبہ............	۲۱
قرطبہ............	۲۲
سمح بن مالک (حاشیہ)............	۲۲
عبدالرحمٰن الداخل (حاشیہ)............	۲۲
قرطبہ کے محلے، مکانات اور مساجد کی تعداد............	۲۳
قرطبہ کی سڑکیں، پل اور کارخانے............	۲۴
قرطبہ کے اہل علم وفضل، اور کتب خانے، اور ایک دل چسپ واقعہ............	۲۴
احمد بن محمد المقری (حاشیہ)............	۲۴

اندلس کے مشہور اور محقق عالم علامہ قرطبی رحمہ اللہ (حاشیہ)........................	۲۴
ابن رشد (حاشیہ)..	۲۶
ابن حزم ظاہری (حاشیہ)..	۲۷
مسلّم طبیب اور سرجن ابوالقاسم زہراوی (حاشیہ)........................	۲۸
قرطبہ بہتر ہے یا اشبیلہ؟ علامہ ابن رشد کا دنداں شکن جواب........................	۲۹
اہل قرطبہ کی تین قابل فخر خوبیاں..	۳۰
مسجد قرطبہ کی بنا اور بانی..	۳۱
مسجد قرطبہ کا رقبہ اس کے گنبد، اس کی محرابیں اور اس کی تعمیر کا خرچ............	۳۲
مسجد قرطبہ کا طول وعرض، منبر ومحراب، مینار........................	۳۳
محراب کی عجیب صنعت اور قدرتی مائک..	۳۵
ایک شاعر کے اشعار میں مسجد قرطبہ کا تذکرہ........................	۳۶
مسجد قرطبہ کی کلیسا میں تبدیلی..	۳۷
اسی کو آج ترستے ہیں منبر ومحراب..	۳۸
ایک چھوٹی سی مسجد پر ''جامع ابن رشد'' کا کتبہ........................	۳۹
علامہ اقبال مرحوم کے والہانہ انداز میں کہے گئے اشعار........................	۴۱
وادی الکبیر کا پل..	۴۹
قرطبہ کا پل دنیا کے عجائب میں ایک عجوبہ ہے........................	۵۰
مسلمانوں کی خاص صنعت سمجھی جانے والی پن چکیاں........................	۵۱
قلہرہ نامی قدیم قلعہ..	۵۲

سلطان کا قاضی کے فیصلہ پر اپنا فیصلہ بدل دینا....................	۵۲
ایک الزام کے خاطر سلطان کا موت تک پل پر نہ جانا....................	۵۳
ایک شاعر کے اشعار میں وادی کبیر کا تذکرہ....................	۵۳
لوشہ (لوجا......loja)....................	۵۴
لسان الدین ابن الخطیب (حاشیہ)....................	۵۴
غرناطہ......اور......الحمراء....................	۵۶
غرناطہ....................	۵۷
جامع غرناطہ اور المدرسہ....................	۵۹
غرناطہ کا مثالی مدرسہ....................	۶۰
غرناطہ کا محاصرہ اور خفیہ صلح نامہ....................	۶۱
صلح نامہ کی:۱۶/شرائط....................	۶۲
اندلس سے اسلامی سلطنت کا خاتمہ اور غرناطہ پر عیسائیوں کا قبضہ....................	۶۴
الحمراء....................	۶۷
دل کش فوارے....................	۶۸
قاعۃ السفراء......اور......قاعة الاختين....................	۶۹
سماں وہ بھی ہے تیرا دیکھنے کے لائق وقابل....................	۷۰
جنت العریف....................	۷۲
مدینۃ الزہراء....................	۷۵
مدینۃ الزہراء پر خرچ، اس کا طول وعرض، اور اس کے برج اور ستون....................	۷۵

مدینۃ الزہراء کے ملازمین کی تعداد........................	۷۶
مدینۃ الزہراء کی بنا کی وجہ........................	۷۶
مدینۃ الزہراء کا طول وعرض ......اور قصر الخلفاء........................	۷۷
مدینۃ الزہراء کی بنا پر اسراف اور قاضی منذر رحمہ اللہ کی حق گوئی........................	۷۸
قاضی منذر بن سعید البلوطی (حاشیہ)........................	۷۹
ایک شاعر کے اشعار میں ''مدینۃ الزہراء'' کا تذکرہ........................	۸۱
''مدینۃ الزہراء'' ۴۰ر سال میں بنا مگر: ۳۵ر سال بہار دکھا سکا........................	۸۲
''مدینۃ الزہراء'' کی کھدائی اور ''مجلس المونس'' کی اصلی حالت........................	۸۲
سرزمین زندلس میں عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا درخت........................	۸۳
عبدالرحمٰن بن سلطان محمد (حاشیہ)........................	۸۴
جبل العروس........................	۸۷
اشبیلہ........................	۸۹
اشبیلہ کا مشہور ''قصر القوازیر'' اور اس کے عجائبات........................	۹۰
محل کے متصل باغ میں دنیا بھر کے پھلوں کے پودے........................	۹۲
''جرالڈا ٹاور'' ٹاور........................	۹۳
بلند ترین مینار یعنی ''ٹورے ڈیل اورو''	۹۳
مالقہ........................	۹۴
انتقیرہ........................	۹۶
ابوبکر بن یحی محمد انصاری (حاشیہ)........................	۹۶

علمائے اندلس	۹۸
(۱)......امام عبداللہ بن فروخ فارسی قیروانی اندلسی	۹۹
(۲)......حافظ ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد اندلسی	۱۰۰
(۳)......ابن عبدربہ	۱۰۰
(۴)......یحی بن یحی بن کثیر اللیثی	۱۰۰
(۵)......شیخ عبداللہ بن حمود زبیدی اندلسی	۱۰۲
(۶)......ابوعمرو بن عبدالملک الاشبلی قرطبی	۱۰۳
(۷)......ابن الفرضی	۱۰۳
(۸)......ابن عبدالبر	۱۰۴
(۹)......ابن حیان	۱۰۶
(۱۰)......ابوالولید الباجی	۱۰۶
(۱۱)......ابوعلی الغسانی	۱۰۷
(۱۲)......ابن بَشْکُوَال	۱۰۷
(۱۳)......امام اسماعیل القالی البغدادی القرطبی	۱۰۹
(۱۴)......ابن خلدون	۱۱۰
(۱۵)......محمد بن یحیی بن لبابہ	۱۱۱
(۱۶)......امام ابن سیدہ اندلسی لغوی	۱۱۲
علم تجوید اور علماء اندلس	۱۱۲
مراجع	۱۱۳

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین ، اما بعد !

مؤرخہ: ۱۸/صفر ۱۴۴۱ھ مطابق: ۱۷/۱۰/اکتوبر ۲۰۱۹ء بروز جمعرات چار دن کے لئے مسلمانوں کے فردوس گم شدہ اندلس مرحوم (موجودہ اسپین) کے سفر کا موقع ملا۔ چار راتیں اور تین دن میں دو شہروں اور ان کے وہ تاریخی مقامات کو دیکھا، جس کا تھوڑا بہت مطالعہ کسی وقت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ خوشگوار موسم اور اہل علم وفضل رفقاء کی معیت کی وجہ سے یہ سفر بڑا راحت بخش گذرا۔ مگر آٹھ سو سالہ اسلامی دور خلافت کے وہ نقوش اور اسلامی قلعے ہی نہیں مساجد و مدارس کی کلیساؤں اور یونیورسٹیوں میں تبدیلی کے مناظر کسی بھی مسلمان کے لئے غم وحسرت سے واپسی کے سوا کچھ نہیں۔ اقبال مرحوم نے کس دلی درد سے کہا تھا ۔

اے گلستان اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھ کو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

اندلس کی گلی میں گذر ہو یا بستی میں، شہر میں ہو یا قصبہ میں، اقبال مرحوم کے اس شعر کی تصدیق ضرور ہوتی ہے ۔

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

واپسی میں یہ حسرت رہی اور اب تک ہے کہ سفر کے ایام کم تھے، مزید دنوں کی ضرورت تھی، اللہ تعالی دوبارہ اس کی صورت پیدا فرمائے، اور ایک بار اس ملک کے عبرت ناک

محلات وقصور، اور اسلامی قلعے ومساجد کی زیارت کا موقع عنایت فرمائے۔ اب کچھ اندلس کی تاریخ کے چند صفحات واوراق کو دیکھنے کا موقع ملا تو خیال ہوا کہ ان میں سے کچھ تاریخی معلومات زائرین کے لئے مرتب کرودں۔ اس چاہت کے نتیجے میں یہ چند مقالات تیار ہوئے۔

سفرنامہ (صحیح لفظوں میں سفر کی کارگذاری) لکھنے کا نہ خیال آیا اور نہ ہے، اس لئے کہ اولاتو سفرنامے بڑوں کے ہوتے ہیں، مجھ جیسے طفل مکتب کا سفرنامہ لکھنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔[1] دوسرا یہ کہ عصر حاضر میں سفرنامہ لکھنے کے امام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا سفرنامہ ''اندلس میں چندروز'' کے نام سے مطبوعہ ہے، اور اپنی مثال آپ ہے۔

اس لئے مناسب لگا کہ بجائے سفر کی کارگذاری کے اندلس کے چند اہم مقامات اور قابل زیارت مواقع کی مختصر تاریخ مرتب کروں۔ اس میں اپنی باتیں کم ہیں، اس موضوع پر لکھی گئی چند کتابوں سے یہ مضامین تیار کئے گئے ہیں، اور انہیں کتابوں کی عبارات یا مفہوم کو ادا کیا گیا ہے۔ جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست آخر میں درج کردی گئی ہے۔

اللہ کرے کہ کسی زائر کے لئے یہ تحریر مفید ہو، اور راقم کے لئے ذخیرۂ آخرت، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

۲۰/ربیع الاول/۱۴۴۱ھ مطابق: ۱۵/نومبر ۲۰۱۹ء

بروز اتوار

---

[1] ……راقم نے بیت المقدس کے سفر کی کارگذاری اس لئے لکھی تھی کہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کو پاکستانی پاسپورٹ کی وجہ سے بیت المقدس جانے کی ممانعت ہے، اس لئے موصوف وہاں نہ جاسکے، اگر حضرت کا سفر ہوتا اور سفرنامہ لکھا جاتا تو راقم ہرگز ایسی جرأت نہ کرتا۔

جبل طارق

جبل طارق کی تاریخ، راڈرک کا ظلم اور عیسائیوں کی درخواست پر طارق بن زیاد کی آمد، آپ ﷺ کا خواب میں طارق کو فتح کی بشارت دینا، طارق کا تاریخی خطبہ، میدان میں طارق کی عجیب دعا، اس دعا پر علامہ اقبال مرحوم کا منظوم کلام، معرکہ اور مسلمانوں کی عظیم فتح، راڈرک کا قتل اور اس کے لشکر کی پسپائی کی تاریخ پر معلوماتی مقالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

جبل طارق

جبل طارق ایک چھوٹا سا شہر ہے، اور اب تک برطانیہ کے زیر اہتمام ہے، چونکہ یہاں سے مسلمان اندلس میں داخل ہوئے تھے، آئندہ کہیں مسلمان اسی راستہ سے دوبارہ حملہ کی کوشش نہ کرے، برطانیہ کے پاس قوت زیادہ تھی، اس لئے اس حصہ کو اپنے ماتحت رکھنے پر زور دیا گیا اور وہ منظور بھی ہوا، اور اب تک ہے۔

یہاں ایک چھوٹا سا ائیر پورٹ ہے۔ جگہ کی تنگی کے باعث ہوائی جہاز کا رن وے بھی شارع عام پر ہے، جب ایئر کی آمدورفت کا وقت قریب ہوتا ہے تو اس راستہ بند کر دیا جاتا ہے۔

جبل طارق پر ایک پرانی مسجد بھی ہے۔ یہاں پر جانے کے لئے مختلف راستے ہیں، کار بھی جاتی ہے، کیبل کار بھی۔ اوپر سے سمندر کا منظر بہت خوب اور قابل دید ہوتا ہے جو در حقیقت اٹلانٹک سے جا ملتا ہے۔ جبل طارق کے قریب بحیرۂ روم تنگ ہو کر ایک چھوٹی سی ندی کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ بحری جہاز کا یہاں سے مراکش برابر آنا جانا رہتا ہے، اور سفر بھی کم مسافت کا ہے، تقریباً بیس پچیس کلومیٹر کا فاصلہ بتایا جاتا ہے۔

یہاں پتھروں سے بنی ہوئی ایک پرانی مسجد بھی ہے، اسی تاریخی مسجد میں طارق بن زیاد رحمہ اللہ [۲] نے تاریخی خطبہ دیا، نمازیں بھی اس میں پڑھی ہوں گی۔

۲......طارق بن زیاد بن عبد اللہ: اندلس کے فاتح اور دنیا کے بہترین سپہ سالاروں میں تھے، اسپین کی فتح اور یہاں اسلامی حکومت کا قیام ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس نے یورپ کو سیاسی، معاشی اور ثقافتی پسماندگی سے نکال کر ایک نئی بصیرت فکر عطا کی، اور اس پر ناقابل فراموش اثرات مرتب کئے تھے۔

طارق بن زیاد ایک متقی، فرض شناس اور بلند ہمت انسان تھے، ان کے حسن اخلاق کی بنا پر عوام اور فوجی سپاہی انہیں احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

راڈرک کا ظلم اور عیسائیوں کی مسلمانوں سے مدد کی درخواست

اسپین کا عیسائی بادشاہ راڈرک (لزریق) تھا، اور مراکش کے ساحل سبتہ پر ایک بربری عیسائی سردار کاؤنٹ جولین کی حکومت تھی۔ راڈرک نے جولین کو اپنا باج گذار (ریاست کو محصول دینے والا) بنا رکھا تھا۔ راڈرک ایک ظالم حکمران تھا، اور اس کی بہت سی بدعنوانیوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ اپنی رعایا کے نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو شاہی تربیت کے بہانے اپنے زیر اثر رکھتا، اور ان سے اپنی ہوس پوری کرتا تھا۔ جولین کی ایک نوعمر لڑکی بھی اس طرح اس کے زیر تربیت رہی اور بالآخر راڈرک نے اسے بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ لڑکی نے اپنی مظلومیت کی اطلاع باپ کو کردی، جس کے نتیجے میں جولین کے دل میں راڈرک اور اس کی حکومت کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوگئی۔

یہ وہ وقت تھا جب مسلمان موسی بن نصیر کی قیادت میں شمالی افریقہ کے بیشتر حصوں پر

ان کے حسب نسب کے بارے میں اختلاف ہے، زناتہ کے بربر تھے یا اللیثی تھے، ایرانی النسل اور ہمدان کا باشندہ بھی کہا گیا۔ طارق، موسی بن نصیر کے آزاد کردہ غلام اور ان کے نائب تھے۔ طارق کی تربیت وتعلیم موسی بن نصیر کے زیر نگرانی ہوئی۔ طارق نے بہت جلد فن سپہ گری میں شہرت حاصل کرلی، اور ان کی بہادری اور عسکری چالوں کے چرچے ہونے لگے، وہ جنگی منصوبہ بندی میں بہت ماہر تھے، اور غیر معمولی ذہین، دور بین اور مستعد قائد تھے۔ طنجہ کے والی بھی رہے ہیں۔ طارق نے اندلس کے بعد جنوبی فرانس کی طرف بھی پیش قدمی کی اور اہم شہروں اربونہ، لودون اور اوویئون پر بھی قبضہ کرلیا۔

موسی اور طارق کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا قاصد دمشق سے یہ حکم نامہ لایا کہ موسی اور طارق دونوں جلد از جلد دارالحکومت دمشق پہنچ جائیں۔ دمشق پہنچ کر موسی اور طارق جیسے عظیم سپہ سالاروں کی عسکری زندگی کا خاتمہ ہوگیا اور گمنامی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوگئے، اگر طارق اور موسی دربار دمشق کی غیر دانش مندانہ مداخلت سے آزاد رہتے تو نہ صرف اندلس کی تاریخ مختلف ہوتی بلکہ آج یورپ اسلامی دنیا کا حصہ ہوتا۔

قابض ہو چکے تھے، جولین ایک وفد لے کو موسیٰ بن نصیر ۳؎ کی خدمت حاضر ہوا، اوران

۳؎......موسیٰ بن نصیر: ایک ماہر حرب اور عظیم سپہ سالار تھا، موسیٰ کی ساری عمر میدان جنگ میں بسر ہوئی، لیکن عالم پیری میں اس میں وہی جوش اور ہوس فتوحات باقی تھی۔ موسیٰ جب اندلس میں داخل ہوا اور اس نے سنا کہ طارق باوجود ممانعت کے پے در پے فتوحات حاصل کررہا ہے، ناراض ہوگیا، اور خود طلیلہ کا عزم کیا، طارق کو اطلاع ملی تو استقبال کے لئے آیا، اور گھوڑے سے اتر کر استقبال کیا، اور جو مال اس کے حصے میں آیا تھا وہ سب موسیٰ کی خدمت میں ہدیہ کیا۔ مگر موسیٰ ان سے سختی سے پیش آیا، اور غصہ کی حالت میں حکم عدولی کا سبب پوچھا۔ اگرچہ تمام اور فوجی افسروں نے طارق کی تعریف کی، مگر موسیٰ نے سارے مال پر قبضہ کر کے طارق کو قید کی سزادی۔ مگر جلد ہی موسیٰ نے طارق کو رہا کر دیا، دراصل دوسرے افسران کو تنبیہ مقصود تھی۔ ایک مرتبہ فتوحات کی طرف بڑھتے ہوئے موسیٰ نے ایک عجیب عبارت پڑھی: ''اے اولاد اسماعیل! یہاں تک تم پہنچ گئے، اب واپس ہوجاؤ'' دوسری طرف یہ الفاظ کندہ تھے: ''اگر تم اس پتھر سے آگے بڑھے تو خانہ جنگیوں میں مبتلا ہوجاؤ گے، اور تمہاری قوت منتشر ہوجائے گی۔ اس کے بعد آگے بڑھنے کی جرأت نہ کی اور فوج کو ہٹ ہوجانے کا حکم دیا۔ خلیفہ نے موسیٰ کو دمشق بلایا، بادشاہ بعض وجوہ سے اور کچھ حضرات کی شکایات سے موسیٰ سے ناراض اور خفا تھا، اس لئے موسیٰ کا مال ومتاع ضبط کر کے شہر بدر کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ سخت قید میں رکھا، اور دو لاکھ اشرفیاں بطور جرمانہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ موسیٰ نے کچھ جرمانہ ادا کیا بقیہ ادا نہ کرسکا، بالآخر امیر ابن امہلب کی سفارش پر معاف کیا گیا، اور موسیٰ کے بڑے بیٹے امیر عبداللہ کو افریقہ کی ولایت سے برطرف کر دیا۔ بعض مؤرخین کا خیال یہ بھی ہے کہ ستر سالہ موسیٰ کو خلیفہ نے فرش پر دھوپ میں اتنی دیر کھڑا رکھا کہ وہ بیہوش ہوکر گر گیا۔ موسیٰ کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں: ۱۹ھ میں ہوئی۔ ۹۷ھ میں بحالت بے کسی وبے بسی انتقال ہوا۔ الغرض موسیٰ بڑا بہادر اور لائق اور رحم دل تھا، مذہبی عقائد میں پختگی رکھتا تھا، سخاوت بے مثل تھی۔ اس کے گرد ہمیشہ فقراء اور علماء کا مجمع رہتا تھا، اخیری عمر دشمنی اور حسد کا شکار ہوا، کسی شاعر کا یہ شعر موسیٰ کی آخری زندگی کا صحیح ترجمان ہے۔

حقوق خدمت صد سالہ رائیگاں باشد تو کشورے کہ در وکودکاں خداوند اند

سو سال کی خدمت کے حقوق بیکار گئے، تو ایسا ملک ہے کہ جس میں بچے آقا ہیں۔

موسیٰ اور اس کی بے گناہ اولاد پر جو ظلم وستم ہوا ہے، وہ خون ناحق کی طرح خاندان بن امیہ کی بربادی

سے درخواست کی کہ وہ اسپین پر حملہ کر کے لوگوں کو راڈرک کے ظلم وستم سے نجات دلائیں۔ موسی نے جولین کی اس درخواست پر خلیفہ ولید بن عبدالملک سے اندلس پر چڑھائی کی اجازت مانگی، خلیفہ نے احتیاط کی تاکید کرتے ہوئے اجازت دے دی، موسی نے پہلے چند چھوٹی چھوٹی مہمات طنجہ سے اندلس بھیجی، تاکہ حالات کا صحیح اندازہ ہوسکے، یہ مہمات کامیابی سے ہمکنار ہوئیں تو موسی نے طارق بن زیاد کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر اندلس پر چڑھائی کے لئے روانہ کیا۔ طارق کا لشکر سات ہزار مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ انہیں طنجہ سے اندلس پہنچانے کے لئے چار بڑی کشتیاں استعمال کی گئیں جو کئی روز تک کی فوج نقل و حرکت میں مشغول رہیں، یہاں تک کہ پورا لشکر اندلس کے اس ساحل پر اتر گیا جو اب جبل طارق کے نام سے مشہور ہے۔

آپ ﷺ کی طرف سے طارق بن زیاد کو خواب میں فتح کی بشارت

روایات میں ہے کہ کشتی پر سوار ہونے کے بعد کچھ دیر طارق کی آنکھ لگ گئی تو انہیں خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی کہ آپ ﷺ، خلفائے راشدین اور بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم تلواروں اور تیروں سے مسلح سمندر پر چلتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ جب آپ ﷺ طارق کے پاس سے گذرے تو فرمایا: ''طارق بڑھتے جاؤ'' اس کے بعد طارق نے دیکھا کہ آپ ﷺ اور آپ کے مقدس رفقاء اس سے آگے نکل کر اندلس میں داخل ہو گئے۔

کا باعث ہوا۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

تو نے دیکھا کہ پروانہ کے ناحق خون نے شمع کو اتنی دیر امن نہیں دیا کہ رات کو سحر کرے۔

طارق کی آنکھ کھلی تو بیحد مسرور تھے۔انہیں فتح اندلس کی خوشخبری مل چکی تھی، انہوں نے اپنے ساتھیوں کو یہ بشارت سنائی جس سے ان کے حوصلیں اور بڑھ گئے۔

دوسری طرف موسی بن نصیر نے بھی طارق کی مدد کے لئے پانچ ہزار سپاہیوں کی کمک روانہ کی، جس کے پہنچنے کے بعد طارق کا لشکر بارہ ہزار پر مشتمل ہوگیا۔ غالبا جولین کے رفقاءاس کے علاوہ تھے۔

اندلس کے میدان جنگ میں طارق کی دعا

تازہ دم اور جواں سال طارق بن زیاد جب عربی فوجوں کے ساتھ اندلس میں اترا اور وادی لکہ کے مقام پر یہ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو طارق نے کشتیوں کو جلانے حکم دیا، [۴] جن سے اس لشکر نے دریا عبور کیا تھا، اس لئے کہ دوبارہ بھاگنے کا خیال بھی نہ رہے، اس واقعہ کو اقبال مرحوم نے اپنے قطعے میں نظم کیا ہے ؎

طارق چو برکنارہ اندلس سفینہ سوخت گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطاست
دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم؟ ترک سبب ز روئے شریعت کجاروا ست؟
خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

طارق نے جب اندلس کے ساحل پر اپنی کشتی جلائی، تو لوگوں نے کہا کہ: عقل کی نگاہ

[۴].....حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

کشتیاں جلانے کا یہ واقعہ آج کے دور کی تاریخوں میں تو بہت مشہور ہے، لیکن فتح اندلس کے ابتدائی مستند مآخذ میں مجھے اس کا ذکر نہیں ملا۔ اندلس کے سب سے بڑے مؤرخ مقری نے فتح اندلس کا واقعہ بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن اس میں کشتیاں جلانے کا ذکر نہیں ہے۔ ابن خلدون اور طبری وغیرہ نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے کہ طارق بن زیاد کا جو خطبہ آگے آرہا ہے، اس کے ابتدائی الفاظ سے مورخین نے یہ نتیجہ نکالا ہو کہ طارق اپنی کشتیاں جلا چکا تھا، واللہ اعلم۔ (دنیا میرے آگے ص ۱۹)

میں تمہارا یہ عمل بڑی غلطی ہے۔

ہم لوگ اپنے وطن کی سرزمین سے دور ہیں، اب وطن کیسے پہنچیں گے؟ اسباب کو ترک کرنا تو شریعت کی رو سے بھی جائز نہیں۔

طارق جواب میں مسکرائیں، اور اپنا ہاتھ تلوار تک لے جا کر بولے: ہر ملک ہمارا ملک ہے، اس لئے کہ وہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔

طارق اپنے لشکر کے ساتھ جبل الفتح یا جبل طارق کے ساحل پر اترے تھے، اور وہاں سے ''الجزیرۃ الخضراء'' تک کی ساحلی پٹی کسی مؤثر مزاحمت کے بغیر فتح کرلی، لیکن اس کے بعد راڈرک نے اپنے مشہور سپہ سالار تدمیر (theodomir) کو ایک بڑا لشکر دے کر طارق کے مقابلہ کے لئے بھیجا، مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس کی پے در پے کئی لڑائیاں ہوئیں، اور وہ ہر لڑائی میں شکست سے دوچار ہوا، یہاں تک کہ متواتر ہزیمتوں کے نتیجہ میں اس کا حوصلہ جواب دے گیا، اور اس نے اپنے بادشاہ راڈرک کو لکھا کہ: ''جس قوم سے میرا سابقہ پڑا ہے وہ خدا جانے آسمان سے ٹپکی ہے یا زمین سے ابلی ہے، اس کا مقابلہ اس کے سوا ممکن نہیں کہ آپ بذات خود ایک لشکر جرار لے کر اس کی مزاحمت کریں''۔ راڈرک نے اپنے سپہ سالار کا پیغام پاکر ستر ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا، اور طارق کی طرف روانہ ہوگیا۔

طارق بن زیاد کا تاریخی خطبہ

اس میدان میں طارق نے اپنا وہ تاریخی خطبہ دیا جو آج بھی عربی ادب اور تاریخ کی کتابوں میں تواتر سے نقل ہوتا چلا آرہا ہے، اور جس کے ایک ایک لفظ سے طارق کے عزم حوصلے اور سرفروشی کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس خطبے کے چند جملے یہ ہیں:

لوگو! تمہارے لئے بھاگنے کی جگہ ہی کہاں ہے؟ تمہارے پیچھے سمندر ہے، اور آگے دشمن، لہذا خدا کی قسم تمہارے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ تم خدا کے ساتھ کئے ہوئے عہد میں سچے اترو اور صبر سے کام لو۔ یاد رکھو کہ اس جزیرے میں تم ان یتیموں سے زیادہ بے آسرا ہو جو کسی کنجوس کے دستر خوان پر بیٹھے ہوں۔ دشمن تمہارے مقابلے کے لئے اپنا پورا لاؤ لشکر اور اسلحہ لے کر آیا ہے، اس کے پاس وافر مقدار میں غذائی سامان بھی ہے، اور تمہارے لئے تمہاری تلواروں کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں۔ تمہارے پاس کوئی غذائی سامان اس کے سوا نہیں جو تم اپنے دشمن سے چھین کر حاصل کر سکو۔ اگر زیادہ وقت اس حالت میں گزر گیا کہ تم فقر و فاقہ کی حالت میں رہے اور کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور ابھی تک تمہارا جو رعب دلوں پر چھایا ہوا ہے، اس کے بدلے دل میں تمہارے خلاف جرأت و جسارت پیدا ہو جائے گی، لہذا اس برے انجام کو اپنے آپ سے دور کرنے کے لئے ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ پوری ثابت قدمی سے اس سرکش بادشاہ کا مقابلہ کرو، جو اس کے محفوظ شہر نے تمہارے سامنے لا کر ڈال دیا ہے، اگر تم اپنے آپ کو موت کے لئے تیار کر لو تو اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے۔ اور میں نے تمہیں کسی ایسے کام سے نہیں ڈرایا جس سے میں خود بچا ہوا ہوں، نہ میں تمہیں کسی ایسے کام پر آمادہ کر رہا ہوں جس میں سب سے سستی پونجی انسان کی جان ہوتی ہے، اور جس کا آغاز میں خود اپنے آپ سے نہ کر رہا ہوں۔ یاد رکھو اگر آج کی مشقت پر تم نے صبر کر لیا تو طویل مدت تک لذت و راحت سے لطف اندوز ہو گے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت تمہارے ساتھ ہے، تمہارا یہ عمل دنیا و آخرت دونوں میں تمہاری یادگار رہنے گا۔ اور یاد رکھو کہ جس بات کی دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں اس پر پہلا

لبیک کہنے والا میں خود ہوں۔ جب دونوں لشکر ٹکرائیں گے تو میرا عزم یہ ہے کہ میرا حملہ اس قوم کے سرکش ترین فرد راڈرک پر ہوگا، اور انشاء اللہ میں اپنے ہاتھ سے اسے قتل کروں گا، تم میرے ساتھ حملہ کرو، اگر میں راڈرک کی ہلاکت کے بعد ہلاک ہوا تو راڈرک کے فرض سے تمہیں سبکدوش کر چکا ہوں گا، اور تم میں ایسے بہادر اور ذی عقل افراد کی کمی نہیں جن کو تم اپنی سربراہی سونپ سکو، اور اگر میں راڈرک تک پہنچنے سے پہلے ہی کام آ گیا تو میرے اس عزم کی تکمیل میں میری نیابت کرنا تمہارا فرض ہوگا، تم سب مل کر اس پر حملہ جاری رکھنا، اور پورے جزیرے کی فتح کا غم کھانے کے بجائے اس ایک شخص کے قتل کی ذمہ داری قبول کر لینا تمہارے لئے کافی ہوگا، کیونکہ دشمن اس کے بعد ہمت ہار بیٹھے گا۔ ۵؎

۵؎……ایها الناس این المفرّ ؟ البحر من ورائکم ' والعدو امامکم ، ولیس لکم والله الا الصدق والصبر ، واعلموا انکم فی هذه الجزیرة اضیع من الایتام فی مادبة اللئام ، وقد استقبلکم عدوکم بجیشه واسلحته ، اقواته موفورة وانتم لا وزرلکم الا سیوفکم ، ولا اقوات لکم الا ما تستخلصونه من ایدی عدوکم ، وان امتدت بکم الایام علی افتقارکم و لم تنجزوا لکم امرا ذهبت ریحکم، وتعوضت القلوب من رعبها منکم الجراة علیکم ، فادفعوا عن انفسکم خذلان هذه العاقبة من امرکم بمناجزة هذا الطاغیة ، فقد القت به الیکم مدینة الحصنیة ، وان انتهاز الفرصة فیه لممکن ان سمحتم لانفسکم بالموت ، وانی لم احذرکم امر انا منه بنحوه ولا حملتکم علی خطة ارخص متاع فیها النفوس الا وانا ابدأ بنفسی ، واعلموا انکم ان صبرتم علی الاشق قلیلا ' استمتعتم بالارفة الالد طویا ...والله تعالی ولی انجادکم علی ما یکون لکم ذکرا فی الدارین، واعلموا انی اول مجیب الی ما دعوتکم الیه ، وانی عند ملتقی الجمعین حامل بنفسی علی طاغیة القوم لذریق فقاتله ان شاء الله تعالی فاحملوا معی ، فان هلکتُ بعده فقد کفیتُکم امره ، ولم یعوزکم بطل عاقل تسندون امورکم الیه ، وان هلکتُ قبل وصولی الیه فاخلفونی فی عزیمتی هذه، واحملوا بانفسکم علیه واکتفوا لهم من فتح هذه الجزیرة بقتله فانهم بعده یخذلون۔

(نفح الطیب للمقری ص۲۲۵ تا ۲۲۶ ج۱)

اس خطبہ نے فوج میں نئی جان ڈالدی، طارق نے صف بندی کے بعد فوج کا معاینہ کیا تو دیکھا اپنی فوج عدد وقوت میں بدرجہا کمتر ہے، اور غریب الدیار ہونے کے باعث کمک و مدد کی بھی کوئی امید نہیں، مخالف فوج اپنے ملک میں ہے اور ہر وقت طاقت بڑھا سکتی ہے، اس صورت حال سے تشویش ہوئی، بالآخر یہی تدبیر سمجھ میں آئی کہ فوج میں ایمانی طاقت بڑھا کر اللہ تعالی کی غیبی نصرت حاصل کی جائے، طارق نے اللہ سے دعا کی اور کہا:

اے خدا! یہ تیرے راستے کے مسافر پُر اسرار اور صاحب اسرار بندے ہیں، صحرا اور دریا ان کی ٹھوکروں کے اشارے پر چلتے ہیں، ان کی ہیئت سے پہاڑ بھی گرد ہو جاتے ہیں، تو نے انہیں اپنی محبت دے کر دو عالم سے بیگانہ بنا دیا، شوق شہادت کے سوا کوئی چیز انہیں محبوب نہیں، دنیا ہلاکت کے دہانے کھڑی ہے، ہم یہاں اسی لئے آئے ہیں کہ اپنے جسم وتن کا بیج بوئیں اور خون دل سے اس کی آبیاری کریں۔

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے ۔ جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا ۔ سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو ۔ عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن ۔ نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی
خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے ۔ قبا چاہئے اس کو خون عرب سے
کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا ۔ خبر میں، نظر میں، اذان سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو ۔ وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں
کشا درد دل سمجھتے ہیں اس کو ۔ ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

دل مرد مومن میں پھر زندہ کردے وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لا تذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کردے نگاہ مسلما ں کو تلوار کردے

دعا قبول ہوئی اور اسلامی فوج کامیاب ہوئی، اور عیسائی اندلس اسلامی اندلس بن گیا، مسلمانوں کی پائدار حکومت قائم ہوئی، جو صدیوں تک رہی۔ طارق کے رفقاء پہلے ہی جذبۂ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار تھے۔ طارق کے اس خطبے نے ان میں ایک نئی روح پھونک دی، وہ وادی لکہ کے معرکے میں اپنے جسم و جان کو فراموش کر کے لڑے۔ یہ جنگ متواتر آٹھ دن تک جاری رہی، اور فتح مسلمانوں کے حصے میں آئی۔ راڈرک کا لشکر بری طرح پسپا ہوا، اور خود راڈرک بھی اسی تاریخی معرکے میں کام آیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے خود طارق بن زیاد نے قتل کیا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا خالی گھوڑا دریا کے کنارے پایا گیا جس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ وہ دریا میں ڈوب کر ہلاک ہوا۔

وادی لکہ کی یہ فتح جو ایک ہفتے کی صبر آزما جنگ کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوئی، یورپ میں مسلمانوں کے داخلے کی تمہید تھی، جس نے پورے اندلس کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے۔ اس کے بعد مسلمان اندلس کے تمام شہروں کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے اس وقت کے دار الحکومت طلیطلہ (tolldo) کو بھی فتح کرلیا۔ اس کے بعد بھی ان کی پیش قدمی جاری رہی یہاں تک کہ وہ فرانس کے اندر جا کر کوہ پیری نیز کے دامن تک پہنچ گئے۔ اندلس کی فتح کے بعد مسلمانوں نے یہاں آٹھ سو سال حکومت کی جس دوران انہوں نے علم و دانش اور تہذیب و تمدن کے منفرد چراغ روشن کئے، اور اس خطے کو دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ علاقہ بنا دیا۔

پھر اس کا خاتمہ اس وقت ہوا جب طارق اور اس کے ساتھیوں کی روح ان میں باقی نہ

رہی، جذبۂ ایمانی کا فقدان اور خانہ جنگیوں نے حکومت کے ساتھ مسلمانوں کا وجود یہاں خطرے میں ڈال دیا کہ ایک متنفس بھی باقی نہ رہا۔ غافلوں اور فراموشوں کے ساتھ خدا کا ہمیشہ یہی معاملہ رہا ہے: ﴿و لن تجد لسنة الله تبديلا﴾۔

قرطبہ اور مسجد قرطبہ

قرطبہ کے محلے، مکانات اور مساجد کی تعداد، قرطبہ کی سڑکیں، پل، کارخانے، قرطبہ کے اہل علم وفضل، اور کتب خانے، اور ایک دل چسپ واقعہ، قرطبہ بہتر ہے یا اشبیلیہ؟ علامہ ابن رشد کا دنداں شکن جواب، اہل قرطبہ کی تین قابل فخر خوبیاں۔

مسجد قرطبہ کی تاریخ، اس کے بانی، اس کے ستون، اس کی حسن ومضبوطی، علامہ اقبال کے اس مسجد کی زیارت کے بعد کہے گئے بے مثال اشعار اور ان کی مختصر تشریح، اور ''وادی الکبیر کے پل'' کی تاریخ وغیرہ امور پر مختصر اور تحقیقی مقالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

قرطبہ

قرطبہ اندلس کے قدیم شہروں میں سے ہے، دوسری صدی قبل مسیح علیہ السلام کی تاریخ میں بھی اس کا ذکر ایک رستے بستے شہر کی حیثیت سے ملتا ہے، اور اس وقت اسے ''کوردوبا'' (cordoba) کہا جاتا تھا۔ جب پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے اندلس فتح کیا تو یہاں قوطیوں کی حکومت تھی۔ طارق بن زیاد نے ۹۲ھ (۷۱۲ء) میں اسے فتح کیا۔

مسلمان فوجوں نے اہل شہر کے ساتھ بڑی فراخ دلی اور رعایت کا معاملہ کیا۔ مسلمانوں نے اندلس فتح کرنے بعد شروع میں اشبیلہ کو اپنا پایہ تخت بنایا تھا، لیکن سلیمان بن عبد الملک کے دور میں والیٔ اندلس سمح بن مالک خولانی [۶] نے دار الحکومت اشبیلہ سے قرطبہ منتقل کرلیا، اور اس کے بعد یہ صدیوں اندلس کا دار الخلافہ بنا رہا۔ ۱۳۸ھ میں جب عبد الرحمٰن الداخل [۷] نے یہاں اموی سلطنت قائم کی تو اس سے اس شہر کو زبردست ترقی

---

[۶]......سمح بن مالک: طارق کے ہمراہیوں میں ایک فوجی آدمی تھا۔ اندلس کے امیر بنتے ہی عدل و خوش حالی کے سامانوں کی فراہمی شروع کی۔ امیر سمح کی حکومت حضرت عمر بن عبد العزیز کی حکومت کا عکس تھا۔ اسی نے اندلس کی مردم شماری کرائی، ملک کا جغرافیہ تیار کرایا جس میں ہر شہر اور اس کی آبادی، ایک شہر سے دوسرے کا فاصلہ، دریا، پہاڑ، تجارتی اشیاء کی فہرست وغیرہ چیزیں درج تھیں۔ جزیہ، عشر، خمس اور خراج کے پختہ قوانین رائج کئے۔ مسجدیں اور پل تعمیر کرائے، وادی الکبیر کا بانی یہی ہے۔ بربری قوم کو غیر آباد علاقوں میں زراعت وحرفت پر لگایا، جس میں ان کو کامیابی حاصل ہوئی۔ ایک جنگ میں تیر لگنے سے شہادت ہوئی۔

[۷]......عبد الرحمٰن الداخل: کی ولادت ۱۳۰ھ میں ہوئی، بچپن میں والد کا سایہ اٹھ گیا تو دادا ہشام نے تربیت کی۔ ہر طرح کی قابلیت کا مالک تھا، عادات بد سے پاک رہا۔ علماء اور امرائے سلطنت کی صحبت حاصل تھی، ۱۳۲ھ میں جب بنو امیہ کا خاتمہ ہو کر خلافت عباسیہ شروع ہوئی اس وقت عبد الرحمٰن کی عمر بیس سال تھی۔ اس نے اس وقت کے مظالم اور خوف و ہراس کا ماحول دیکھا۔ عبد الرحمٰن نے افریقہ اور

ہوئی۔

اموی خاندان نے قرطبہ پر تین صدی سے زائد حکومت کی، اس کے بعد اور مختلف خاندانوں کی حکومتیں قائم ہوتی رہیں، یہاں تک کہ قسطلہ کا عیسائی بادشاہ فرڈی ننڈ اس پر قابض ہوگیا۔اس طرح اس شہر پر مسلمانوں کی حکومت: ۵۳۴؍سال قائم رہی۔

قرطبہ کے محلے، مکانات اور مساجد کی تعداد

مسلمانوں کے دور میں قرطبہ دنیا کے متمدن ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ شہر اکیس بڑے بڑے محلوں پر مشتمل تھا۔ خلیفہ ہشام المؤید کے زمانے (۳۶۶ھ ۳۹۹ء) میں شہر کا سروے کیا گیا تو شہر کے مکانوں کی تعداد ڈھائی لاکھ سے متجاوز تھی۔ دکانوں کی تعداد اسی (۸۰) ہزار چار سو شمار کی گئی۔ عبد الرحمٰن الداخل کے زمانے (۱۳۸ھ ۱۷۲ء) میں شہر کی مسجدوں کی تعداد چار سو نوے تھی، اور بعد میں سولہ سو (۱۶۰۰) مساجد تک کا ذکر تواریخ میں ملتا ہے۔

فلسطین کے اسفار کے بعد مصر جا کر بنوامیہ کے ہمدردوں سے ملاقات کی۔ امیر افریقہ کو پتہ چلا کہ عبد الرحمٰن اپنی حکومت کرنے کی فکر میں مصروف ہے، اس لئے اس کے خلاف وارنٹ جاری ہوا تو بڑی مشکل سے جان بچا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کی اور مصیبتیں جھیلیں۔ ایک مرتبہ متلاشی کی پہنچنے پر بربری بڑھیا نے کونے میں بٹھا کر اس پر کپڑے ڈال کر اس کی حفاظت کی۔ نوبت یہی تک پہنچ گئی کہ کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا دستیاب ہونا دشوار ہوگیا، بالآخر اندلس پہنچ کر اپنی فطری صلاحیت اور خواہانان بنوامیہ کی مدد سے امیر بنائے گئے اور ہوتے ہوتے اندلس کے والی بنے۔ خاندان بنوامیہ کا یہ پہلا شخص تھا جو اندلس میں داخل ہوا، اس لئے الداخل کے لقب سے مشہور ہوا۔ عبد الرحمٰن کو بغاوتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا، مگر بڑی جرأت مندی سے باغیوں کا استیصال کیا، اور بغاوتوں کے اسباب تلاش کئے۔ ربیع الثانی ۱۷۲ھ میں تینتیس سال چار مہینے حکومت کرنے کے بعد: ۵۸ یا ۵۹؍سال کی عمر میں وفات پائی۔

قرطبہ کی سڑکیں، پل اور کارخانے

مسلمانوں نے اپنے عہد عروج میں جو عظیم الشان عمارتیں شاندار سڑکیں، زبردست پل، اپنے دور کے لحاظ سے زبردست کارخانے اور جدید تمدنی سہولیات قرطبہ کی دیں، ان کا تذکرہ کرنے کے لئے مؤرخین اور ادیبوں نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اور اندلس کے مشہور مؤرخ مقری [۸] نے ''نفخ الطیب'' کی ایک پوری جلد قرطبہ کے تذکرے کے لئے وقف کی ہے۔

قرطبہ کے اہل علم وفضل، اور کتب خانے، اور ایک دل چسپ واقعہ

علم وفضل کے لحاظ سے بھی ''قرطبہ'' اندلس کا عظیم ترین شہر سمجھا جاتا تھا، اندلس سے علم و دانش کے ہر میدان میں جو قدآور عالمی شخصیتیں پیدا ہوئیں، ان میں سے بیشتر قرطبہ ہی سے تعلق رکھتی تھیں، مشہور مفسر اور صحیح مسلم کے شارح علامہ قرطبی، [۹]

[۸]......احمد بن محمد المقری (اَلْمَقَّرِی) آپ کے آباء قریش کے عمائد تھے، فتح شام کے بعد افریقہ کے شمالی حصہ شہر تلمسان کے قریب مقرہ (مَقَّرة) میں بود باش اختیار کی تھی۔ مالکی اور اشعری مسلک کے مقلد تھے اپنے چچا علامہ ابوعثمان سے تعلیم وتربیت حاصل کی۔ علم کے حصول میں شرق وغرب کا سفر کیا۔ حکومت اندلس کی تباہی کے بعد مراکش کے شہر فاس میں تعلیم لی۔ خلافت اندلس کے بعد دوبارہ اندلس آنا آسان نہ تھا، مگر مقری اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر واپس آئے، اور اپنے اسلاف کے لازوال کارناموں کی آٹھ سو سالہ تاریخ ''النفخ الطیب'' کے نام سے دس جلدوں میں مرتب کی، اور اپنے اولوالعزم قوم کے کارناموں کو حیات جاوید بخشی۔ ۱۰۱۳ھ میں تلمسان، اسکندریہ اور قاہرہ ہوتے ہوئے حرمین شریفین پہنچے۔ ۱۰۲۹ھ میں قاہرہ میں شادی کی۔ دمشق میں بار بار آمد رہتی اور شہر کی مشہور مسجد میں درس بخاری کا سلسلہ رہتا، اس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے۔ جمادی الثانی ۱۰۴۱ھ (۱۶۳۱ء) میں قاہرہ میں انتقال ہوا۔ کئی تصانیف یادگار چھوڑیں۔

[۹]......اندلس کے مشہور اور محقق عالم علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری خزرجی القرطبی

اندلسی رحمہ اللہ: فقہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کے پیرو تھے۔آپ کے اساتذہ میں: ابن رواج، ابن جمیزی، شیخ ابو العباس قرطبی، ابوعلی حسن بکری، اور ابو الحسن یحصبی قابل ذکر ہیں۔ آپ کے صاحبزادے شہاب الدین احمد نے آپ ہی سے اکتساب فیض کیا۔ بقول ذہبی: آپ مختلف علوم وفنون اور علم میں متبحر امام تھے۔آپ کی کئی مفید تصانیف ہیں جو آپ کے کثرت علم اور زیادتی فضل پر دال ہیں۔ ابن فرحون فرماتے ہیں: آپ اللہ تعالی کے نیک اور صالح بندوں، متقی عارف علماء، دنیا سے زہد اختیار کرنے والے اور ان افراد میں سے تھے جو امور آخرت میں مصروف رہتے تھے۔آپ کے اوقات عبادت وتصنیف میں صرف ہوتے تھے۔تکلف سے کوسوں دور تھے۔ابن عماد نے ''شذراۃ الذہب'' میں کہا ہے کہ: آپ حدیث کے معانی میں غواصی کرنے والے اور عمدہ تصنیف کے حامل تھے۔آپ کی چند مشہو تصانیف یہ ہیں:

(۱)......الاسنی فی شرح اسماء الحسنی،

(۲)......الاعلام بما فی دین النصاری من الاوھام،

(۳)......التذکار فی افضل الاذکار،

(۴)......التذکرہ فی احوال الموتی والآخرہ،

(۵)......قمح الحرص بالزھد والقناعۃ و رد ذل السوال بالکتب والشفاعۃ،

(۶)......الجامع لاحکام القرآن۔

ان میں سب سے زیادہ شہرت آپ کی تفسیر کو ملی۔ ''تفسیر قرطبی'' ۱۲/جلدوں میں ہے، اس تفسیر کا بنیادی موضوع تو قرآن کریم سے فقہی احکام ومسائل کا استنباط تھا، لیکن اس ضمن میں مصنف رحمہ اللہ نے آیتوں کی تشریح، مشکل الفاظ کی تحقیق، اعراب وبلاغت اور متعلقہ روایات کو بھی تفسیر میں خوب جمع کیا ہے، ناسخ ومنسوخ کی بحثیں بھی ہی۔قرأت متواترہ اور غیر متواترہ کا ذکر بھی ہے۔خاص طور پر روزمرہ کی زندگی کے لئے قرآن کریم سے جو ہدایات ملتی ہیں ان کو اچھی طرح واضح فرمایا ہے۔اس کتاب کا مقدمہ بھی نہایت مفصل اور علوم قرآن کے اہم مباحث پر مشتمل ہے۔

مصر کے محلّہ منیہ بنی خصیب میں: ۹/شوال ۶۷۱ھ شب پیر آپ کا وصال ہوا، اور وہیں آپ کا مزار ہیں۔آپ کا تفصیلی تذکرہ ''شذراۃ الذہب'' اور ''کشف الظنون'' میں ہے۔

فقہ اور فلسفہ کے امام علامہ ابن رشد، ۹

۱۰ ...... عبدالولید محمد بن احمد بن محمد رشد: اسپین کا بہت بڑا فلسفی اور سائنسداں، طب، فلکیات اور فقہ کا بڑا ماہر قرطبہ میں: ۵۲۰ھ مطابق: ۱۱۲۶ء پیدا ہوا۔ ابن رشد قرطبہ کے مشہور فقہ کے حلقوں اور درسگاہوں میں شریک ہوا۔ مشہور عالم ابن باجہ کی تربیت میں رہا۔ اپنی تعلیم کا آغاز علم دین وعلم کلام سے شروع کیا، بہت جلد ترقی کر کے اپنے اساتذ اور متبحر فقیہ حافظ ابن محمد بن رزاق کی سفارش پر، اور ایک سخت امتحان میں کامیابی کے بعد علماء اندلس سے متفقہ طور سند فقہ لی۔ یہ سند پہلے صرف معمر حضرات کو ملا کرتی تھی جو قرآن وحدیث ختم کر کے مدتوں دوسرے علوم کی تکمیل کرتے تھے، مگر ابن رشد نے کم سنی میں یہ فضیلت حاصل کر لی۔ ابومروان ابن زہر کی دوستی نے علم ادویہ کی جانب مائل کیا، اور اس فن کو بھی اپنی استادانہ تحقیقات سے مالا مال کر دیا۔ جعفر بن ہارون طرجوبی کی مدد سے علم حیوانات، علم خواص الاشیاء، اور افلاطون وارسطو ونیز دیگر حکمائے یونان کی فلسفیانہ تصنیفات پر بھی حاوی ہو گیا۔ اشبیلہ اور قرطبہ کا قاضی بھی رہا، ابویعقوب یوسف نے اپنے خاص طبیب کی حیثیت سے مراکش بلایا، مگر یہاں علماء دین نے اس کے ملحدانہ خیالات کے باعث سخت مخالفت کی، اس لئے قرطبہ واپس آنا پڑا، مگر یہاں بھی اس کے خلاف کفر کے فتاوے نے جلاوطنی پر مجبور کیا۔ دراصل ابن رشد کا تعلق اس مکتبہ فکر سے تھا جو متکلمین تو نہیں تھے، مگر عقلیت پسند ہونے کے باعث مسلمہ عقائد کو بھی فلسفے پر منطبق کرنا چاہتے تھے، چنانچہ الکندی فارابی، ابن سینا، ابن باجہ اور ابن طفیل اسی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے جن کی ایک کڑی ابن رشد بھی تھا۔ ابن رشد کا دعوی تھا کہ مذہب کے اصولی عقائد کے سوا ہر چیز کو اصل کسوٹی پر پرکھنا چاہیئے، اس طرح اس نے دنیا کو ارسطاطالیت کی راہ دکھائی، اور دنیا نے اسے ارسطو کا بڑا شارح تسلیم کیا۔ ابن رشد کا نظریہ یہ تھا کہ: خداتعالی اپنی ہستی میں واحد نہیں رہتا۔ اس کے نزدیک تمام اشیاء عدم سے ایک ہی بار پیدا نہیں ہو جاتیں، بلکہ ارتقاء کی حیثیت اختیار کرتی ہیں اور ایک تخلیق وقت اسے قائم رکھتی اور حرکت دیتی ہے۔ نیز مرنے کے بعد انسانی روح اس روح کل میں چلی جاتی ہے جو اس کائنات میں ازل سے موجود ہے۔ روز محشر یہ کسی اور مماثل صورت میں پیدا ہوگی، مگر موجودہ مادی جسم میں نہیں ہوگی، کیونکہ موجودہ اجسام نامکمل ہیئت کے مالک ہیں جبکہ آئندہ کامل اور مکمل اجسام کی ضرورت ہوگی۔ اس کا اعتقاد تھا کہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تو قیامت کے دن وہ مجتمع نہ ہو سکے گا۔ اس کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ ہر شخص کو اس کے نیک وبد اعمال کی جزا وسزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے، بعد وفات کچھ نہیں ہوتا۔ ان افکار کی بنا پر

مسلک اہل ظاہر کے سرخیل علامہ ابن حزم، ۱۱؎ طب اور سرجری کے مسلم الثبوت سائنس

ابن رشد کو نہ صرف مسلمان علمائے دین بلکہ پادریوں نے بھی کافر ٹھہرایا۔ ہسپانوی خلیفہ المنصور نے نہ صرف اس کی تکفیر کی بلکہ اس کی تمام کتابیں جلادیں اور اسے نظر بند کردیا۔ ابن رشد کی پہلی تصنیف ''تلخیص المقالہ الاولی من کتاب الخطابة الارطاطالیس '' ہے جو بلاشبہ تفسیر فلسفۂ ارسطو تھی، مگر اسلامی دنیا میں زیادہ دلچسپی اس کتاب سیا جواس نے امام غزالی کی مناظرے کی کتاب کی تردید اور جواب میں لکھی، جس کا نام ''تھافة المتھافتین '' ہے۔ ابن رشد نے: ۹/صفر ۵۹۵ھ مطابق: ۱۰/دسمبر ۱۱۹۸ھ، اسی (۸۰) سال کی عمر میں مراکش میں وفات پائی۔

۱۱؎......ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن ابن حزم کی ولادت: ۳۰/رمضان ۳۸۴ھ (۷/نومبر ۹۹۴) قرطبہ میں ہوئی۔ ابن حزم نہ صرف مشہور حافظ قرآن تھا، بلکہ علم حدیث اور فقہ کا ایک مستند عالم تھا۔ ابتدا میں ابن حزم مسلکا شافعی تھا، مگر بعد میں اس کا شمار فرقۂ ظاہریہ میں کیا جانے لگا۔ علوم فلسفہ وغیرہ پر بھی بصیرت تھی۔ طبیعت سادہ تھی۔ اس کے کتب خانہ میں ہر علم وفن کی کتابیں موجود تھیں۔ اس کا حافظہ غیر معمولی تھا ایک بار جو پڑھ لیا یا سن لیا کبھی بھولتا نہیں تھا۔ والد کے انتقال کے بعد قرطبہ چھوڑ کر المریہ میں سکونت اختیار کی، یہاں کے والی حیران العامری نے اپنے خلاف سازش کے شبہ میں پہلے تو قید کیا، بعد میں جلا وطن کردیا۔ جب عبدالرحمٰن الرابع نے خلافت کا اعلان کیا تو ابن حزم اس کی فوج میں شامل ہوگیا، غرناطہ کے محاذ پر اسے دشمنوں نے قید کرلیا، رہائی کے بعد قرطبہ آ گیا، پانچ سال کے بعد وزارت کا عہدہ ملا، مگر عبدالرحمٰن خامس کی وفات کے بعد دوبارہ جیل کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کے بعد علم کی طرف توجہ کی اور بہت جلد شہرت حاصل کرلی۔ اکثر مناظرے کرتا رہتا تھا، بکثرت علماء اس کے مخالف ہوگئے، چنانچہ اسے اپنی خاندانی جاگیر منت لیشم میں جاگزیں ہونا پڑا، یہیں اس کا انتقال ہو۔ چار سو کے قریب تصانیف ہیں۔ ابن حزم کی علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر قرطبہ میں سیویل گال کے قریب: ۱۲/مئی ۱۹۶۳ء کو کانسی سے بنا ہوا ایک مجسمہ نصب کیا گیا۔ یہ مجسمہ اس کی نوسویں برسی کی یادگار کے طور پر لگایا گیا۔ ان حزم نے مخالفین پر شدت سے الزامات لگائے، حتی کہ بعض راسخ العقیدہ اماموں کو بھی نہیں بخشا، اور ان میں سے کئی ائمہ پر کفر والحاد کے الزامات لگائے، امام شعری، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ خاص طور پر اس کی تنقید کا ہدف بنے رہتے تھے۔ ابن حزم نے اپنے اس نظریے کی پرزور حمایت کی ہے کہ فقہی استنباط، جزئیات کو جن کی بنیاد قرآن وحدیث پرنہیں رد کردینا ضروری ہے۔ علم الاخلاق میں ''الاخلاق

دان ابوالقاسم زہراوی، ۱۲؎ سب اسی شہر میں دادِ علم وفضل دیتے رہے۔

قرطبہ کے کتب خانے دنیا بھر میں ضرب المثل تھے۔ علم وادب کے ذوق اور اس کے ہمہ گیر چرچے کا یہ عالم تھا کہ کوئی گھر ایک اچھے کتب خانے سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ جو لوگ طبعی طور پر کتابوں کا ذوق نہ رکھتے ہوں، انہیں معاشرے میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا، چنانچہ بہت سے لوگ محض فیشن کے طور پر اپنے گھروں میں کتابوں کی الماریاں رکھتے، اور انہیں مختلف علوم وفنون کی کتابوں سے سجاتے تھے۔

اس سلسلے میں مقری نے ایک حضرمی شخص کا دلچسپ واقعہ اسی کے الفاظ میں نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

والسیر'' تاریخ میں ''جمہرۃ الانساب'' احکام فقہ میں ''الفصل فی الملل والاھواء والنحل'' اور کتاب المحلی و ''کتاب الناسخ والمنسخ'' اہم تصانیف ہیں۔ ابن حزم کی نسبت یہ قول زباں زد خاص وعام تھا کہ: ابن حزم کی زبان میں وہی تیزی ہے جو حجاج بن یوسف کی تلوار میں تھی۔ مزاج میں اس قدر غصہ تھا کہ اختلاف رائے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ ابن حزم کا قول ہے کہ: اگر تم امیرانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو تم ایسا طریقہ اختیار کرو کہ اگر تمہارے پاس دولت نہ رہے تو غربت کی حالت میں بھی زندگی بسر کرنے سے بھی تکلیف نہ ہو۔ ۲۷رشعبان: ۴۵۶ھ (۲۵راگست ۱۰۶۴ء) میں انتقال ہوا۔

۱۲؎...... مسلّم طبیب اور سرجن ابوالقاسم زہراوی: ۹۳۶ء میں پیدا ہوا۔ اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد قرطبہ کے شاہی شفاخانہ کے ساتھ منسلک ہوگیا اور یہاں اس نے عملی تحقیق کا آغاز کیا، تھوڑے عرصہ میں اس کو جدید علم الجراحت (سرجری) کا موجد اور اپنے زمانے کا سب سے بڑا سرجن بنا دیا۔ ابوالقاسم جو نادر آپریشن انجام دیتا تھا، اپنے روز افزوں تجربے سے فن جراحت میں جو نئی نئی راہیں دریافت کرتا تھا۔ آپریشن کرنے کے لئے اپنی نگرانی میں جو نئے آلات بنواتا تھا ان سب کی تفصیل وہ احاطہ قلم میں بھی لاتا جاتا تھا، یہاں تک کہ یگانہ روزگار تصنیف ''تصریف'' تیار ہوگئی، جو صدیوں تک یورپ کی اکثر یونیورسٹیوں میں شامل نصاب رہی، اور یورپ کے سرجن اس کے مندرجات کو سند کے طور پر پیش کرتے رہے۔ اس کی شرحیں بھی لکھی گئیں۔ ابوالقاسم کی وفات ۱۰۱۳ء میں ہوئی۔

مجھے ایک نادر کتاب کی ضرورت تھی، میں اس کی تلاش میں قرطبہ آیا، اور کتابوں کے سارے بازار چھان لئے، بالآخر ایک جگہ کتابوں کا نیلام ہورہا تھا، وہاں مجھے وہ کتاب مل گئی جس کی مجھے ضرورت تھی، میں اسے دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑا، اور اسے حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بولی لگانی شروع کردی، لیکن جونہی میں کوئی بولی لگاتا ایک دوسرا شخص اس سے آگے بڑھ کر بولی لگادیتا۔ ہوتے ہوتے اس شخص نے اتنی قیمت کی بولی لگادی کہ وہ حد سے زیادہ تھی، میں نے نیلام کرنے والے سے کہا کہ: ذرا مجھے اس شخص سے ملاؤ جو یہ حد سے زیادہ بولی لگا رہا ہے۔ اس نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو اپنے لباس سے کوئی رئیس معلوم ہوتا تھا، میں نے اس سے جا کر کہا کہ: ''آپ کوئی بڑے فقیہ معلوم ہوتے ہیں، اللہ تعالی آپ کی عزت میں اضافہ کرے، اگر واقعتاً آپ کو اس کتاب کی ضرورت ہے تو میں آپ کے حق میں دست بردار ہو جاتا ہوں''۔ اس شخص نے جواب دیا: ''میں کوئی فقیہ نہیں ہوں، بلکہ مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کتاب میں کیا ہے؟ لیکن میں نے بڑی محنت سے اپنے گھر میں ایک کتب خانہ بنایا ہے جو شہر کے شرفاء میں کوئی مقام پاسکے، ایک الماری میں تھوڑی سی جگہ خالی ہے جس میں یہ کتاب سما سکتی ہے، اس کتاب کی جلد بھی بہت خوبصورت ہے، اور تحریر بھی بہت حسین ہے، اس لئے میں اس جگہ کو پر کرنے کے لئے یہ کتاب خریدنا چاہتا ہوں'' اس پر میں نے اس سے کہا: ''بادام اس شخص کو مل رہا ہے جس کے منہ میں دانت نہیں''۔

قرطبہ بہتر ہے یا اشبیلہ؟ ابن رشد کا دنداں شکن جواب

ایک مرتبہ قرطبہ کے مشہور عالم علامہ ابن رشد اور اشبیلہ کے رئیس ابوبکر بن زہر کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی کہ قرطبہ بہتر ہے یا اشبیلہ؟ ابوبکر بن زہر نے اشبیلہ کی بہت سی

خوبیاں بیان کیں، تو علامہ ابن رشد نے جواب دیا:

’’آپ جو خوبیاں بتا رہے ہیں، ان کا مجھے علم نہیں، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ جب اشبیلہ میں کسی عالم کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا کتب خانہ بکنے کے لئے قرطبہ آتا ہے، اور جب قرطبہ میں کسی گویے کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا ساز وسامان بکنے کے لئے اشبیلہ جاتا ہے‘‘۔

جس شہر میں کتابوں اور کتب خانوں کے ساتھ عوام کی محبت کا یہ عالم ہو، اس کی علمی اور ادبی فضا کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، چنانچہ قرطبہ کی خواتین اور بچے تک اس علمی ذوق سے جس طرح سرشار تھے، اس کا حال مؤرخین نے بڑے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

شہر بھر پر چھائے ہوئے اس علمی ذوق کا نتیجہ یہ تھا کہ قرطبہ کے لوگ اپنی شرافت و نجابت، اپنی خوش اخلاقی، خوش وضعی اور سنجیدگی میں نہایت ممتاز سمجھے جاتے تھے، اور سامان عیش وفراوانی، مناظر قدرت کے حسن، آب و ہوا کی نشاط انگیزی اور تفریح گاہوں کی کثرت کے باوجود وہ اوچھی حرکتوں اور خلاف تہذیب منکرات سے کوسوں دور تھے۔

اہل قرطبہ کی تین قابل فخر خوبیاں

اندلس کے ایک باشندے اہل قرطبہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ بہترین اور صاف ستھرا لباس پہنتے ہیں، دینی احکام کی پوری پابندی کرتے ہیں، نمازیں پابندی سے پڑھتے ہیں، تمام اہل قرطبہ شہر کی جامع مسجد کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، اگر کسی بھی شخص کو کہیں شراب کا کوئی برتن نظر آجائے تو وہ اسے بلا تکلف توڑ ڈالتا ہے، وہ ہر طرح کے منکرات سے نفرت کرتے ہیں، اور ان کا سرمایہ فخر و ناز تین چیزیں ہوتی ہیں: ایک: خاندانی شرافت، دوسرے سپہ گری، اور تیسرے علم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسجد قرطبہ کی بنا اور بانی

جس جگہ آج جامع قرطبہ واقع ہے، رومانی بت پرستوں کے زمانے میں یہاں ان کی ایک عبادت گاہ تھی، جب اسپین میں عیسائی مذہب پھیلا تو انہوں نے اس عبادت گاہ کو گرا کر یہاں ایک کلیسا تعمیر کرلیا جو ''ونجنت'' (vincent) کے نام سے مشہور ہوا۔ جب مسلمانوں نے قرطبہ فتح کیا تو قرطبہ کا کلیسا نصف نصف تقسیم ہوگیا، ایک حصہ مسلمانوں نے بدستور کلیسا رہنے دیا اور دوسرا حصہ مسجد بنا دیا گیا۔ ایک مدت تک مسجد اور کلیسا دونوں ساتھ قائم رہے۔

لیکن جب قرطبہ مسلمانوں کا دارالحکومت قرار پایا، اور یہاں کی آبادی تیز رفتاری سے بڑھی تو مسجد کا حصہ نمازیوں کے لئے تنگ پڑ گیا۔ یہاں تک کہ جب عبدالرحمٰن الداخل کی حکومت آئی تو اس کے سامنے جامع قرطبہ کی توسیع کا سوال آیا، مسجد کی توسیع اس کے بغیر ممکن نہ تھی کہ کلیسا کو مسجد میں شامل کیا جائے، لیکن چونکہ عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ ہو چکا تھا کہ آدھے حصہ میں کلیسا برقرار رکھا جائے گا، اس لئے مسلمانوں کی روایات اور شرعی احکام کے مطابق عیسائیوں کو راضی کئے بغیر اسے مسجد میں شامل کرنا ممکن نہیں تھا۔ عبد الرحمٰن الداخل نے بڑے بڑے عیسائی رئیسوں کو بلا کر ان سے کلیسا کی زمین خریدنے کی تجویز پیش کی، اور منہ مانگی قیمت دینے کا وعدہ کیا، عیسائی مذہب میں کلیسا کی فروخت جائز ہے، اس لئے عیسائیوں کے لئے اس پیشکش کو قبول کرنے میں کوئی مذہبی رکاوٹ نہیں تھی، لیکن عیسائی کلیسا ہٹانے پر راضی نہیں ہوئے، کئی دنوں تک انہیں راضی کرنے کا سلسلہ جاری رہا، بالآخر انہوں نے گراں قیمت کے علاوہ اس شرط پر رضامندی ظاہر کی کہ شہر کے

باہران کے جو کلیسا منہدم ہوئے انہیں دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔عبدالرحمٰن الداخل نے یہ شرط بھی منظور کر لی،اوراس طرح کلیسا کا یہ حصہ بھی مسجد کو مل گیا۔

مسجد قرطبہ کا رقبہ اس کے گنبد، اس کی محرابیں اوراس کی تعمیر کا خرچ

وسیع زمین حاصل کرنے کے بعد عبدالرحمٰن الداخل نے جامع قرطبہ کی تعمیر از سرنو شروع کی، مسجد کا نقشہ بڑا عظیم الشان تھا اور دمشق کے ایک ماہر فن نے تیار کیا تھا،اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے طویل مدت درکار تھی لیکن عبدالرحمٰن الداخل تعمیر شروع ہونے کے بعد دو سال ہی میں (۱۷۲ھ) میں فوت ہوگئے۔ان کے بعدان کے بیٹے ہشام نے تعمیر کا سلسلہ جاری رکھا، اور چھ سال میں اسی (۸۰) ہزار دینار کے خرچ سے اسے مکمل کرلیا۔مسجد کا کل رقبہ تینتیس ہزار ایک سو پچاس مربع ذراع (ہاتھ) تھا۔

مسجد قرطبہ کی تعمیر فی الحقیقت عبدالرحمٰن اعظم کے زمانہ میں شروع ہوئی تھی،اور ہشام نے اس کو اختتام تک پہنچایا تھا،لیکن اس کے بعد بھی ہر بادشاہ نے مسجد کے بڑھانے اور شاندار بنانے میں دولت کی پروانہیں کی۔

جامع قرطبہ کا اندرونی حصہ دنیا بھر میں اپنی وسعت اور حسن کے لحاظ سے ممتاز تھا،شاید ساری دنیا میں آج بھی مسجد کا مسقّف حصہ اتنا وسیع کہیں اورنہیں ہے۔اور یہ سارا حصہ صف درصف بنے ہوئے خوبصورت دالانوں پر مشتمل ہے جن کی چھتیں گنبد نما ہیں،اور دونوں طرف سنگ مرمر کے خوبصورت ستونوں کی قطاریں دور تک چلی گئی ہیں۔چھت کی لکڑی میں بڑے عمدہ اور دل کش نقش ونگار حیران کن ہیں۔مختلف قسم کے پتھروں سے کمانوں کو اس طرح مزین کیا گیا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اس مسجد کی چھت میں تین سو ساٹھ طاق اس ترتیب

سے بنائے گئے تھے کہ سورج اپنے سال بھر کی گردش میں ہر روز ایک طاق میں داخل ہوتا تھا۔

مسجد قرطبہ مضبوط پتھر کی بنی ہوئی ایک پرشکوہ، بلند و بالا اور طویل عمارت ہے، جس کی دیوار کو زمین پر بنے ہوئے بڑے بڑے پشتوں نے سہارا دیا ہوا ہے۔ ایک دور تھا کہ یہ مسجد شہر قرطبہ کے لئے مایہ ناز تھی، اس کا شمار وسیع ترین مساجد میں ہوتا تھا، یہ مسجد مغربی دنیائے اسلام کی مقدس ترین اور باعث فکر عبادت گاہ تھی۔ دور دراز اور قرب و جوار کے مسلم زائرین اس شاہراہ پر ہوتے ہوئے جو اندلس کے سرسبز و شاداب دیہات سے گذرتی تھی قرطبہ پہنچتے تھے، ان دھکے ماندے زائرین کو جو دریا کے طویل رومی پل سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آتے تھے مسجد کا مینار دراصل روشنی کا مینار معلم ہوتا تھا۔ چھوٹی سی ڈھلوان سڑک پل پر سے مسجد کی مغربی دیوار کے قریب تک جاتی تھی، زائرین ایک محرابی دیوار سے گذر کر جب عبادت کے صحن میں جاتے تھے تو سفر کی تمام تھکن بھول جاتے تھے۔ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نئی دنیا میں آ گئے ہیں۔

مسجد قرطبہ کا طول وعرض، منبر و محراب، مینار

مسجد قرطبہ کا طول شرق سے غرب تک قریب قریب پانچ سو فٹ کے تھا، اور اس کی خوشنما محرابیں ایک ہزار چار سو سترہ سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھیں، جن پر سنہرا کام کیا ہوا تھا۔ ایک محراب اس مسجد کی سات سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم اور اس قدر بلند اور خوبصورت تھی کہ صرف اسی کے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے۔ محراب کے قریب ایک بلند ممبر خالص ہاتھی دانت اور چھتیس ہزار مختلف رنگ اور وضع کی لکڑی کے ٹکڑوں سے بنا، اور ہر قسم کے جواہرات سے جڑا ہوا رکھا تھا۔ اس ممبر ہی کی قیمت پینتیس

ہزار سات سو پانچ (۴۵۷۰۵) دینار تھی، اور سات برس میں تیار ہوا تھا۔

عبدالرحمٰن ثالث نے قدیم میناروں کو گرا کر ایک نیا مینار ایک سو آٹھ فٹ بلند تیار کرایا، جس میں چڑھنے اترنے کے دو زینے تھے، اور ہر زینے میں ایک سو سات سیڑھیاں تھیں، اس مسجد میں دس ہزار فانوس روشنی کے چھوٹے بڑے جل رہے تھے، جن میں سے تین سب میں بڑے فانوس خالص چاندی کے اور باقی پیتل کے تھے، بڑے سے بڑے فانوس میں چار سو اسی پیالے روشن ہوتے تھے، اور تین چاندی کے فانوسوں میں چھتیس سیر تیل جلا کرتا تھا۔ مسجد میں جلنے والی شمعوں اور چراغوں میں تیل کا سالانہ خرچ: ۳۱۴/ من کے قریب تھا۔ سال بھر میں ساڑھے تین من موم اور ساڑھے چونتیس سیر سوت بتیاں بنانے میں صرف ہوتا تھا۔ ہر جمعہ کو مسجد میں آدھا سیر عود اور پاؤ بھر عنبر جلایا جاتا تھا۔ تین سو ملازم اور خدام اس مسجد پر متعین تھے۔ مسجد کے متعلق جو جدید تعمیر اس عہد میں کی گئی اس پر دو لاکھ اکسٹھ ہزار پانچ سو تین دینار خرچ ہوئے تھے۔

جنوبی فرانس اور عیسائی صوبوں سے جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اس کا خمس (پانچواں حصہ) جو سلطان ہشام کی خدمت میں پیش کیا گیا وہ: ۴۵/ ہزار اشرفیاں تھیں، سلطان ہشام نے یہ سارا روپیہ مسجد قرطبہ کی تعمیر و تکمیل پر خرچ کیا۔

مسجد کے دروازوں سے داخل ہوتے ہی ان ستونوں سے گذرنا پڑتا ہے جو آٹھویں صدی میں عبدالرحمٰن اول نے اس وقت بنوائے تھے جب مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تھی۔ عرب معماروں نے اونچائی میں اضافے کے لئے دوہری محرابوں کا ایک نیا طریقہ اخذ کیا اور اپنے ذوق رنگ آمیزی کی مدد سے سرخ اینٹ اور ہلکے بادامی رنگ کے پتھر کی متبادل دھاریاں ڈال کر محرابیں تعمیر کیں۔ جنوب کی طرف گذرنے کے لئے ان درمیانی راستوں

سے گذرنا پڑتا ہے جو عبد الرحمٰن ثانی نے نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی گنجائش نکالنے کی غرض سے تعمیر کرائے تھے، اس کے بعد محرابوں کی تزیین زیادہ پر رونق ہوجاتی ہے، اور اس کے درمیان سے محراب نظر آنے لگتی ہے جو جنوبی دیوار کے اندر ایک گہرے طاق کی شکل میں ہے، جس کے چاروں طرف طلائی نقوش تاباں و درخشاں ہیں۔

محراب کی عجیب صنعت اور قدرتی مائک

مسجد کی محراب اس انداز سے بنائی گئی ہے کہ وہاں جو آواز دی جائے وہ مسجد کے آخری گوشہ تک پہنچے گی۔ یہ وہ قدرتی مائک ہے جو اندلس کے عرب معماروں نے دریافت کیا تھا۔[۱۳]

مفکر ملت حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ جب اس محراب کے پاس پہنچے تو بے اختیار بلند آواز سے ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ [۱۴] پڑھنا شروع کیا، گائیڈ نے شور مچا کر آپ کی آواز کو دبانے کی کوشش کی، مگر قرآن کریم کی آیت: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴾۔ [۱۵] کی تفسیر آپ کے سامنے آگئی۔ (کاروان زندگی ص۴۱۹ ج۱)

محراب مصلی کے سامنے قوسی محرابیں کچھ عجیب طرح آپس گھستی ہیں، اور اوپر قوسی

۱۳...... بیجاپور کی جامع مسجد میں بھی یہ صنعت موجود ہے۔ اور دہلی کی مغل دور سے پہلے کی ایک مسجد میں بھی یہ صنعت پائی جاتی ہے۔

۱۴...... اور کہو کہ: حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا، اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔ (پ:۱۵۔ سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت نمبر:۸۱)

۱۵...... اور یہ کافر (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ: ''اس قرآن کو سنو ہی نہیں، اور اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو تاکہ تم ہی غالب رہو''۔ (پ:۲۴۔ سورۂ حمٓ السجدۃ۔ آیت نمبر:۲۶)

چھتوں نے جنوبی دیوار کے ساتھ ساتھ جانے والے راستے پر تین نہایت خوشنما چھوٹے چھوٹے برج بنادیئے ہیں۔

عمارت کا یہ جنوبی خوبصورت حصہ ان کاریگروں کا مرہون منت تھا جن کی خدمات الحکم ثانی نے حاصل کی تھیں۔ان فن کاروں نے محراب مصلی، قوسی چھتیں اور محرابوں کی آرائش اس طرح کی تھی کہ پلاسٹر اور سفید سنگ مرمر کے چوکوں پر کندہ کاری کے ابھرے ہوئے نقوش ہیں، ایک دوسرے پر لپٹی ہوئی ڈنڈیوں، پھولوں اور پتیوں کے نمونے سجائے گئے ہیں۔محراب مصلی کی قوس کے اردگرد میں نقوش عربیہ کے حسین ودلربا بوٹے اس کاری گر کے کارنامے تھے جسے الحکم کی مخصوص درخواست پر بزنطی شہنشاہ نے قسطنطنیہ سے بھیجا تھا۔

محراب مصلی کی دائیں جانب جو قوسی محراب تھی، یہی سے سلطان مسجد میں آتے تھے، ان کا محل ''القصر'' دریا کے کنارے تھا، یہاں سے ایک مسقّف راستہ نجی دروازے تک آتا تھا، بائیں جانب کی محراب سے ان کمروں میں داخل ہوتے تھے جہاں بیش بہا چیزیں محفوظ تھیں۔ان بیش بہا چیزوں میں ایک بڑی تقطیع کا قرآن شریف بھی تھا جس کے چار صفحات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قلم سے لکھے ہوئے تھے، نیز جب آپ کو شہید کیا تھا تو آپ اسی نسخہ کی تلاوت فرمارہے تھے،اور آپ کا خون اس کے صفحات پر گرا تھا۔یہ قرآن صرف جمعہ کے وقت نکالا جاتا تھا اور جامع قرطبہ کا ہر زائر اس کی زیارت سے مشرف ہوتا تھا۔

ایک شاعر کے اشعار میں مسجد قرطبہ کا تذکرہ

ایک شاعر نے قرطبہ کی تعریف کرتے ہوئے مسجد قرطبہ کا تذکرہ بھی کیا ہے ؎

بِاَرْبَعٍ فَاقَتِ الْاَمْصَارَ قُرْطُبَةٌ　　　مِـنْهُنَّ قَنْطَرَةُ الْوَادِی وجَامِعُها

هَـاتَـانِ ثِنْتَانِ وَالزَّهْرَاءُ ثَالِثَةٌ وَالْعِلْمُ اَعْظَمُ شَیْءٍ وَهُوَ رَابِعُهَا

شہر قرطبہ چار چیزوں کی وجہ سے تمام شہروں سے برتر ہو گیا ہے۔ان میں ایک وادی الکبیر کا پل ہے،اور (دوسری) اس کی جامع مسجد ہے۔

یہ دو ہیں اور قصر الزہراء تیسری ہے،اور علم سب سے افضل ہے،اور وہ قرطبہ کی چوتھی چیز ہے۔

مسجد قرطبہ کی کلیسا میں تبدیلی

۱۲۳۶ء میں عیسائیوں نے فرڈی ننڈ کی قیادت میں اس علاقے پر قبضہ کرلیا۔۱۲۳۸ء میں یہ عالیشان مسجد گرجا گھر میں تبدیل کر دی گئی۔

اس وقت مسجد میں بائیں ہاتھ کی جانب پوری دیوار عیسائیوں کے بنائے ہوئے کلیساؤں کے مختلف کمروں پر مشتمل ہے،جن میں بہت سے مجسمے رکھے ہوئے ہیں۔مسجد کے بیچوں بیچ ایک بڑا کلیسا بنا دیا گیا ہے۔مسجد کے خوبصورت دالانوں کی گنبد نما چھتوں پر تصویریں نقش کر دی گئی ہیں۔کلیسا کی سروس کے لئے بڑے بڑے اسٹیج بنائے گئے ہیں جن کے سامنے دور تک کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔حضرت عیسی اور حضرت مریم علیہما الصلوۃ و السلام کی فرضی تصاویر بھی جگہ جگہ نصب ہیں۔

غرناطہ کے آخری بادشاہ ابوعبداللہ جس نے فرڈی ننڈ کو چاندی کی پلیٹ میں ''الحمراء'' کی چابی دے کر اسپین کی تاریخ کی کایہ پلٹی تھی،ایک تصویر میں اس کا نقشہ بھی بتایا گیا ہے،جس میں مسلمان بادشاہ اور اس کے رفقاء ڈاڑھی،ٹوپی اور عمامہ کے ساتھ بڑی بے کسی اور ذلت و رسوائی کے انداز میں عیسائی بادشاہ فرڈی ننڈ اور اس کے وزراء کو''الحمراء'' کی چابی پیش کر رہے ہیں،﴿ وَ تِلْکَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ﴾ کا قرآنی ارشاد انسان کے

لئے بڑی عبرت اور سبق آموز ہے۔[۱۶]

قدیم مسجد کی محراب اور اس کے ساتھ دو تین صفوں کی جگہ رسی باندھ کر الگ باقی رکھی گئی ہے۔

مسجد کے باہر ایک وسیع اور خوبصورت صحن ہے جس میں انجیر اور انگور وغیرہ کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ مضبوط کمرے بنے ہوئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی دینی درسگاہ یا تزکیہ کی خانقاہ رہی ہوں گی، جس میں مختلف نصاب پر مشتمل کتابوں کی تدریس و تزکیہ نفوس کے لئے آنے والے زائرین کے لئے یہ حجرے مستعمل ہوتے ہوں گے۔

اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

آج یہ عالی شان مسجد اور اسلامی دور کی عظیم یادگار ایک طویل عرصہ سے سجدہ کے لئے ترس رہی ہے، نہ وہاں اذان کی آوازیں گونج رہی ہیں اور نمازیوں کے سجدوں سے زمین سجدہ گاہ بنی ہوئی ہے ؎

وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب
سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

بلکہ بہت سختی سے زائرین کو پہلے ہی خبردار کر دیا جاتا ہے کہ آپ نماز نہیں پڑھ سکتے، پھر اس حکم پر بس نہیں، بلکہ جن کے بارے میں جامع قرطبہ کے نگران کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ

[۱۶]...... یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں۔
(پ:۴۔ سورۂ آل عمران۔ آیت نمبر:۱۴۰)

کہیں چپکے سے نماز نہ پڑھ لیں، ان کے ساتھ برابر گارڈ رہتا ہے۔

علامہ اقبال مرحوم جب اندلس گئے تو قصر الحمراء دیکھ کر اتنے متأثر نہیں ہوئے، مگر جب مسجد قرطبہ کو دیکھا تو ان کی روح پھڑک اٹھی اور وجدان جھوم اٹھا، آپ خود لکھتے ہیں:

الحمراء کا تو مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا، لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ (اقبال نامہ ص ۳۲ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کی شان نرالی ہے، اور ان کی حکمت کا ہماری فہم ناقص ادراک نہیں کرسکتی، آٹھ سو سالہ اسلامی خلافت کے دور عروج میں یہاں اللہ تعالیٰ کے کن کن نیک اور مخلص بندوں نے سجدے کئے ہوں گے، وہاں آج ایک مسلمان دو رکعت کے لئے ترستا ہے اور حسرت و غم کے جذبات لئے نم آنکھوں سے نکلتا ہے، اور دل میں نہ معلوم کیا کیا دعائیں کر کے لوٹتا ہے۔ مسجد تو مسجد، باہر صحن میں بھی کسی کی مجال نہیں نماز پڑھ سکے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ مسجد کے قریب ایک تنگ گلی میں ایک مراکشی مسلمان نے مطعم کے ساتھ چھوٹی سی جگہ وضو اور نماز کے لئے مختص کر دی ہے جس میں بمشکل بیس پچیس نمازی اپنے مولیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو سکتے ہیں۔ ساتھ ہی وضو کا بھی نظام ہے، اور استنجاء کے لئے مطعم میں اجازت ہے۔

ایک چھوٹی سی مسجد پر ''جامع ابن رشد'' کا کتبہ

اس چھوٹی سی مسجد کے باہر جو نام کندہ ہے وہ زائر کو اور ورطۂ حیرت میں ڈالنے والا ہے، اس عبادت گاہ کے باہر کتبہ لگا ہے: ''جامع ابن رشد'' اللہ اکبر ابن رشد کے علمی مقام اور ان کی بھاری بھرکم شخصیت کے تصور کے سامنے اس کتبہ کی کیا حقیقت، مگر کوئی اہل نظر شاید یہ نیک فالی لے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ کوئی ایسا وقت بھی آئے کہ

یہاں جامع ابن رشد کے نام سے کوئی عالی شان مسجد بن جائے یا یہی جامع قرطبہ اہل اسلام کے لئے کھول دی جائے۔

یہاں اس بات کا اظہار بھی مناسب ہے کہ ہمارے اسلامی ممالک کے سربراہان میں کوئی اہل دل اسپین کی حکومت سے درخواست کرے کہ مسجد کا کوئی مختصر سا حصہ ہی سہی مسلمان زائرین کے لئے مختص کر دیا جائے جہاں مسلمان اطمینان سے نماز ادا کر سکے، اللہ تعالی کے لئے کوئی بعید نہیں۔

علامہ اقبال مرحوم کے والہانہ انداز میں کہے گئے اشعار

آخر میں علامہ اقبال مرحوم (م: ۱۲/اپریل ۱۹۳۸ء) کے اشعار جو آپ نے ۱۹۳۲ء میں اندلس کے سفر میں جب قرطبہ کی مسجد کی زیارت کی اس وقت کہے تھے درج ہیں۔

اقبال مرحوم مسجد قرطبہ کی طرف متوجہ ہوکر اسے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اے مسجد عظیم! تو اپنے وجود ونمود میں اس پاک محبت' اوران شدید جذبات اور پرشوق احساسات کی رہین منت ہے، جو ابدی اور دائمی ہیں، اس لئے تو بھی دوامی اور لازوال ہے۔

جو فلسفہ خون جگر سے نہیں لکھا جاتا وہ مصنوعی' سطحی اور لفظ وصوت اور رنگ وروغن اور کنکر پتھر کا خالی دھانچہ ہوتا ہے، جس میں جان نہیں ہوتی۔ محبت ہی پتھر کے مجسمہ اور زندہ انسان میں فرق وامتیاز پیدا کرتی ہے، اور محبت کا جب کوئی قطرہ حیات پتھر پر گر جاتا ہے تو وہ بھی دل کی طرح دھڑکنے اور زندگی کا ثبوت دینے لگتا ہے، اور جب اس سے انسانی دل بھی خالی ہوتا ہے تو وہ دل' دل نہیں پتھر کی سل سمجھا جاتا ہے۔

اے مسجد عظیم! ایمان اور ذوق وشوق کی یکسانی اور جذبات کی اطاعت ہم دونوں کا

مسلک ہے، اور میرے تیرے درمیان ایک ربط نہاں موجود ہے۔ انسان اپنی خلقت میں اگر چہ مشت خاک ہے، لیکن اس کا دل رشک عرش و افلاک ہے، انسانی دل بھی اشراق نوری اور لذت حضوری سے سرشار رہتا ہے، ملائکہ دائمی سجدے کے لئے یقیناً مشہور ہیں، لیکن انسانی سجدے کی لذت وحرارت ان کے نصیب میں کہاں؟

اقبال اپنی ہندوستانیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس کافر ہندی کا یہ ذوق وشوق اور اس کی قلب ماہیت دیکھ کر گہوارۂ کفر میں نشو ونما پا کر بھی لب پر صلوۃ ودرود کی صدائیں گونج رہی ہیں، اور میں عالم مسافرت میں تجھ جیسے غریب الوطن سے مل کر سراپا شوق بن گیا ہوں، تیری فطرت اور میری طبیعت میں ہم آہنگی موجود ہے۔

اے حرم قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت وسنگ، چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرۂ خون جگر، سِل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صدا سوز و سرور و سرود
تیری فضا دل فروز میری نوا سینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کا کشود
عرش معلّٰی سے کم سینۂ آدم نہیں
گر چہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا

اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافرِ ہندی ہوں میں' دیکھ مرا ذوق و شوق
دل میں صلوۃ و درود' لب پہ صلوۃ ودرود
شوق میری لے میں ہے' شوق میری نے میں ہے
نغمۂ اللہ ہو میری رگ و پے میں ہے

اقبال مرحوم کی نظر میں یہ وقیع ورفیع مسجد اپنی مجموعی تصویر وتاثیر میں مؤمن کی تعبیر اور اس کے معنوں کی مادی تفسیر ہے۔جلال و جمال' پختگی اور مضبوطی' وسعت ورفعت، مسجد کے بلند و بالا ستونوں کی ہیئت سے انہیں صحرائے عرب کے وہ نخلستان یاد آتے ہیں، جو اپنی کثرت ورفعت میں اس کی مثال ہیں۔وہ اس کی جالیوں میں ربانی نور کا ظہور دیکھتے ہیں اور اس کے بلند مناروں کو فرشتوں کی فرد گاہ سمجھ کر فرماتے ہیں کہ: مسلمان بھی زندہ و جاوداں ہے، اس لئے کہ وہ حضرت ابراہیم وحضرت موسی اور تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اس لافانی پیغام کا حامل وامین ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ: یہ مسجد ملت اسلامیہ کے افکار' اس کے عزائم کی ایک تجلی ہونے کی وجہ سے اس کی نمائندہ ہے، جس طرح یہ ملت ملک و وطن' نسل وقومیت کے غیر حقیقی تصورات سے بری ہے، اسی طرح یہ مسجد بھی عرب وعجم کے حسین امتزاج کا نمونہ ہے۔وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مؤمن کا وطن زمینی حدود سے بے نیاز ہے، اور اس کے پیغام کا سوز مشرق ومغرب کو محیط ہے۔عراق کے دجلہ وفرات، ہندوستان کے گنگ وجمن' یورپ کے ڈینوب و بحر روم اور مصر کا دریائے نیل اس کے بحر بیکراں ہیں، تاریخ میں اس کے شاندار کارناموں کی داستانوں کی مثالیں نایاب ہیں۔اس امت کے افراد محبت وانسانیت کے نمائندے اور

ایمان واخوت کے سچے نمونے ہیں، وہ میدان جنگ میں بھی توحید ورسالت کا پیامبر اور خدا طلبی کی راہ میں گرم سفر رہتا ہے، حق و باطل کے معرکے میں قوت ایمانی اس کا اوزار اور خدا پر اعتماد اس کا ہتھیار رہوتا ہے۔ وہ کس والہانہ انداز میں کہتے ہیں ؎

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائدار' تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل
تیرے در و بام پر وادی ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند جلوہ گہ جبرئیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں ' کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرّ کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حدود' اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج ' دجلہ و نیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب' اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقی ارباب ذوق ' فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق ' تیغ ہے اس کی اصیل
مرد سپاہی ہے ' وہ اس کی زرہ لا الہ

پھر مرحوم مسجد قرطبہ کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ: تو دنیا میں مؤمن کے خواب کی تعبیر ہے،

خشت وسنگ اور تعمیری رنگ وآہنگ میں مومن کی روح کا ظہور ہے،اور تیرے پیکر جمیل سے اس کے بلند احوال کی چہرہ کشائی ہورہی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ: مؤمن کا ہاتھ فتح وظفر، قوت وسطوت میں خدا کا ہاتھ اور قدرت الٰہی کا ایک ذریعہ ہے۔

مؤمن بظاہر خاکی لیکن دراصل نوری ہے،اس کی ذات میں اخلاق الٰہیہ اور صفات عالیہ کا پرتو اور اس کا عکس جمیل ہے،اس لئے وہ دنیا سے مستغنی اور مادیت سے بے نیاز ہے، اس کی امیدیں قلیل لیکن مقاصد عظیم ہیں۔وہ بیک وقت جلال وجمال کا جامع ہے،صلح و امن میں حریر اور حرب میں شمشیر ہے۔اس کا ایمان مرکزی نقطہ ہے،اس کے سوا سب طلسم و مجاز ہے،وہ عقل کی غایت اور ایمان کی نہایت ہے،اس کے وجود سے کائنات میں قوت ہے،وہ عشق کی منزل کا حاصل اور جسم ووجود کا دل ہے ؎

تجھ سے ہو آشکار بندۂ مومن کا راز
اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند، اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا، بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد، بندہ مولی صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

نرم نرم گفتگو ' گرم گرم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو' پاک دل و پاک باز
نقطۂ پر کار حق ' مرد خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

دوبارہ مسجد سے مخاطب ہوتے اور کہتے ہیں: تو ارباب فن کا کعبہ ہے، تیری وجہ سے اہل نظر کی نظر میں قرطبہ کی زمین حرم مرتبت ہوئی، تیرے حسن کی اگر کوئی مثال مل سکتی ہے تو صرف قلب مسلم ہے۔ یہاں بے اختیار ہو کر پوچھتے ہیں: وہ مردان حق عربی شہسوار کہا گئے؟

اقبال کہتے ہیں: اسپین میں باوجود مغربیت کے عربی خون کی تاثیر، خوشدلی، مہمانوازی وگرم جوشی سادگی اور مشرقیت کا جمال باقی ہے۔ خوشبوئے نجد و یمن سے آج بھی اس کی فضائیں معطر ہیں، اور حجاز و عراق کی صدائے بازگشت وہاں اب بھی سنی جا سکتی ہیں۔

کعبۂ ارباب فن' سطوت دین مبین
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق ! وہ عربی شہسوار
حامل ''خلق عظیم'' صاحب صدق و یقیں

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہلِ دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کی لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط' سادہ و روشن جبیں
آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

اقبال مرحوم کہتے ہیں: اندلس کی زمین صدیوں سے اذانوں سے محروم ہیں، باوجود یہ کہ عالم میں انقلاب کی ہوا چل رہی ہے مگر یہاں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ جرمنی میں لوتھر کی تحریک جس نے تہذیب وثقافت دونوں کو متأثر کیا، اور پوپ کی عصمت اور کلیسا کی وہ عظمت دلوں میں باقی نہ رہی، آزاد خیالی نے فکر وفلسفہ کو بندھنوں سے آزاد کردیا، یورپ میں نشأۃ ثانیہ کی تحریر نے ہر طرف نئی زندگی کی لہر دوڑائی، روسو اور والیٹر کے زیر انقلاب فرانس نے صنعتی دور کو جنم دیا، اور قدامت پسند روما بھی انقلاب کے لئے تیار ہوگیا۔

مسلمانوں میں بھی انقلاب کی روح بے چین ہے، لیکن کوئی پیشنگوئی نہیں کی جاسکتی۔ وادی الکبیر سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں: تیرے کنارے کوئی ماضی کے آئینے میں مستقبل کو دیکھ رہا ہے۔ اور آنے والے زمانے کا تصور اتنا ناگوار ہے کہ یورپ میری صاف گوئی کو

نہیں سکتا۔ انقلاب سے قوموں کی موت وحیات کا فیصلہ ہوتا رہتا ہے۔ آخر میں کہتے ہیں: جو فلسفہ صرف دماغ کی پیداوار ہوتا ہے، اس میں زندگی نہیں ہوتی، ادب و زندگی دونوں کے لئے خون دل وجگر ہمیشہ ضروری رہا ہے۔

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں' آسماں
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں
کونسی وادی میں ہے کونسی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں
دیکھ چکا المنی ' شورس اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمتِ پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتیٔ نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں
دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا کیا

وادیٔ کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
سادہ و پر سوز ہے دختر دہقاں کا گیت
کشتیٔ دل کے لئے سیل ہے عہد شباب
آب روانِ کبیر ! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکشِ انقلاب
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
نقش ہیں سب نا تمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

وادی الکبیر کا پل

جامع قرطبہ کی دیوار قبلہ سے آگے تھوڑے سے فاصلہ پر شہر پناہ کا ایک پرانا دروازہ ہے، یہ ''باب القنطرہ'' تھا جو مسلمانوں کے عہد میں جنوب کی سمت سے شہر میں داخل ہونے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔مسلمانوں کے زمانہ کا دروازہ تو اب باقی نہیں رہا، یہ موجودہ دروازہ ایک عیسائی معمار کا بنایا ہوا ہے۔اس دوازے کے سامنے شرقا وغربا ایک سڑک جارہی ہے، سڑک کو پار کرتے ہی سامنے قرطبہ کا مشہور دریا وادی الکبیر بہہ رہا ہے۔ دریا کے کنارے ایک بورڈ پر ''guadal quinur'' لکھا ہوا ہے، یہ ''وادی الکبیر'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔یہ وادی الکبیر پورے اندلس میں بہتی ہے، اس کا طول تقریبا: ۶۶۰ر کلو میٹر بتایا جاتا ہے۔ وادی الکبیر شہر'' اشبیلہ'' سے بہتی ہے۔اب'' اشبیلہ'' کا نیا نام ''سیول''(sevilla) ہے۔

شہر قرطبہ قدیم زمانے میں اس دریا کے شمالی سرے پر آباد تھا، اور جنوب کی طرف سے دریا عبور کرتے ہی شہر پناہ شروع ہو جاتی تھی، جس کے اندر شاہی محلات واقع تھے۔

پہلی صدی ہجری میں جب طارق بن زیاد وادی لکہ کے معرکے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنے لشکر کے مختلف حصے اندلس کے مختلف شہروں کی طرف روانہ کر دیئے تھے، چنانچہ قرطبہ کو فتح کرنے کی مہم خلیفہ ولید بن عبد الملک کے آزاد کردہ غلام مغیث رومی کے سپرد ہوئی تھی۔مغیث رومی جنوب کی طرف سے آئے اور وادی الکبیر سے ذرا پہلے شقندہ کے مقام پر ایک جگہ پڑاوڈالا۔قرطبہ کو فتح کرنے کے لئے پہلے دریا کو عبور کرنا اور اس کے بعد قرطبہ کی مضبوط اور بلند فصیل پر قبضہ کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی، لیکن اللہ تعالی کی غیبی مدد اس طرح ہوئی کہ مغیث کے جاسوسوں نے شقندہ کے قریب ایک چرواہے کو روک کر اس

سے پوچھ گچھ کی، چرواہے نے بتایا کہ قرطبہ کے رؤسا جنگ کے خوف سے پہلے ہی طلیطلہ کی طرف فرار ہو چکے ہیں، اور شہر کی حفاظت کے لئے فوج بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مسلمانوں نے چرواہے سے قرطبہ کی فصیل کے بارے میں معلومات کیں تو چرواہے نے کہا کہ فصیل تو بڑی مستحکم ہے، البتہ اس کے ایک حصے میں شگاف پڑا ہوا ہے، جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

رات کے وقت مغیث نے قرطبہ کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کیا تو ایک غیبی امداد کے طور پر آسمان سے بارش شروع ہوگئی، اور بارش کی آواز میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز دب کر رہ گئی، یہاں تک کہ مسلمانوں کے لشکر نے اطمینان سے وادی الکبیر کا پل عبور کرلیا۔ بارش اور سردی کی وجہ سے فصیل کے محافظ بھی فصیل سے ہٹ کر اپنی چوکیوں میں پناہ لے چکے تھے، اور فصیل خالی پڑی تھی۔

چرواہے نے جس شگاف کی نشاندہی کی تھی وہ واقعۃً موجود تھا، لیکن وہ اتنی بلندی پر تھا کہ اس تک پہنچنا بھی آسان نہیں تھا، لیکن ایک سرفروش مجاہد ایک انجیر کے درخت کا سہارا لے کر اس شگاف تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ مغیث نے اپنا عمامہ اتار کر اس کا ایک سرا اس کے ہاتھوں کی پھینک دیا، اور اس طرح یہ عمامہ مسلمانوں کے لئے کمند کا کام دینے لگا۔ اور یکے بعد دیگرے کئی سپاہی شگاف تک پہنچ گئے۔ انہوں نے مل کر فصیل کے اندر چھلانگ لگائی اور قریبی پہرے داروں پر حملہ کر کے انہیں قابو کرلیا، اور شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اس طرح یہ شہر کسی موثر مزاحمت کے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

قرطبہ کا پل دنیا کے عجائب میں ایک عجوبہ ہے

آج کل یہ ایک قسم کا پل نظر آتا ہے جو بوسیدگی کی وجہ سے خستہ حالت میں ہے، لیکن

ایک وقت تھا کہ یہ دنیا کا سب سے عظیم الشان پل سمجھا جاتا تھا، اور چونکہ دنیا بھر میں اتنا پختہ، اتنا وسیع اور اتنا مضبوط پل کوئی نہ تھا، اس لئے یہ دنیا کے عجائب میں شمار ہوتا تھا۔ مسلمانوں سے پہلے یہاں ایک معمولی سا کمزور پل تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کی خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو انہوں نے دمشق میں بیٹھ کر قرطبہ کی ضروریات کا اندازہ لگایا، اور اندلس کے گورنر سمح بن مالک خولانی کو حکم دیا کہ وادی الکبیر پر ایک مستحکم پل تعمیر کریں، چنانچہ ۱۰۱ھ میں ایک ماہر تعمیرات عبدالرحمٰن بن عبیداللہ الغافقی کی نگرانی میں یہ عالیشان پل تعمیر کیا گیا، جس کا طول آٹھ سو ہاتھ اور چوڑائی چالیس گز سے زیادہ تھی، اور یہ دریا کی سطح سے ساٹھ ہاتھ بلند تھا۔ اس کے نیچے اٹھارہ خوبصورت در تعمیر کئے گئے تھے، اوراس کے اوپر انیس برج بنائے گئے تھے۔ اس وقت دنیا بھر میں اس پل کی نظیر نہیں تھی، اس لئے اس دور کا ایک مورخ لکھتا ہے:

"ان قنطرة قرطبة احدى اعاجيب الدنيا"

قرطبہ کا پل دنیا کے عجائب میں ایک عجوبہ ہے۔

اس پل کی توسیع اور مرمت بار بار ہوتی رہی ہے، لیکن بنیادی طور پر اب بھی وہی پل ہے جو مسلمانوں نے تعمیر کا تھا۔ زمانہ کے انقلابات اور بوسیدگی نے اس کی شکل وصورت بگاڑ دی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سالہا سال سے کسی نے اس کی حالت زار کی طرف تو جہ نہیں دی، لیکن اس کے مضبوط آثار اس کے عہد شباب کی داستان سنا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی خاص صنعت سمجھی جانے والی پن چکیاں

دریا کے کنارے کچھ پرانی عمارتوں کے کھنڈرات بھی ہیں، وہ پن چکیاں ہیں جو مسلمانوں نے تعمیر کی تھیں، اور اندلس کے مسلمانوں کی خاص صنعت سمجھی جاتی تھی۔

قلہرہ نامی قدیم قلعہ

پل کے جنوبی کنارے پر ایک اور قدیم قلعہ بھی ہے، یہ ایک بہت پرانا قلعہ ہے جو رومانی دور میں تعمیر ہوا تھا، اور ''کالی گورس'' (caliguris) کہلاتا تھا۔ مسلمانوں کے دور میں یہ ''قلہرہ'' کے نام سے مشہور رہا۔ اور اب اسے ''کالا ہورا'' (calahorra) کہتے ہیں۔

اب اس قلعے کا بہت چھوٹا سا حصہ باقی رہ گیا ہے جس میں ایک سرکاری دفتر قائم ہے، باقی حصہ سڑکوں میں آ گیا ہے۔

سلطان ہشام نے اپنے باپ عبدالرحمٰن بن معاویہ کی وفات کے بعد: ۱۷۶ھ میں دریائے وادی الکبیر کا پل از سر نو تعمیر کیا۔ سلطان ہشام نے اس کو پہلے سے زیادہ وسیع اور مضبوط بنوادیا۔ تاریخ میں یہ بھی ہے: اس جدید تعمیر کا نقشہ خود ہشام نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا، اور وسعت میں بے نظیر تھا۔

سلطان کا قاضی کے فیصلہ پر اپنا فیصلہ بدل دینا

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے خاص سلطان الحکم بن سلطان ہشام (م: ۲۵/ ذی الحجہ: ۲۰۶ھ مطابق ۸۲۲ء) پر ایک قطعہ زمین کے متعلق جو قرطبہ کے پل کے قریب واقع تھا دعوی کیا، بعد تحقیقات قاضی محمد ابن بشیر کو مدعی [۱۷] کا مقدمہ صحیح معلوم ہوا، انہوں نے حکم دیا کہ سلطان اپنا قبضہ اس جائداد سے اٹھا لے۔ قاضی کے اس فیصلہ پر سلطان نے فریق کو طلب کر کے اس جائداد کی قیمت دریافت کی، اور جو قیمت مانگی فوراً ادا کر دی۔

[۱۷]...... قاضی محمد بن بشیر کی وفات: ۱۹۸ھ میں قرطبہ میں ہوئی۔

ایک الزام کے خاطر سلطان کا موت تک پل پر نہ جانا

جب یہ پل بن کر تیار ہوگیا تو سلطان نے اپنے اہل دربار سے پوچھا کہ اس پل بنانے کی نسبت عام خیال کیا ہے؟ جواب دیا کہ رعایا کا یہ خیال ہے کہ سلطان نے یہ پل اس لئے بنایا کہ شکار کی آمد ورفت میں آسانی ہو۔ یہ سن کر سلطان نے عہد کیا کہ آج سے موت تک اس پل پر پاؤں نہ رکھوں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سلطان نے مرتے دم تک اس پل پر قدم تک نہیں رکھا۔

ایک شاعر کے اشعار میں وادی کبیر کا تذکرہ

ایک شاعر نے قرطبہ کی تعریف کرتے ہوئے پل کا تذکرہ بھی کیا ہے ؎

بِاَرْبَعٍ فَاقَتِ الْاَمْصَارَ قُرْطُبَة مِنْهُنَّ قَنْطَرَةُ الْوَادِی وجَامِعُها
هَاتَانِ ثِنْتَانِ وَالزَّهْرَاءُ ثَالِثَةٌ وَالْعِلْمُ اَعْظَمُ شَیْءٍ وَهُوَ رَابِعُهَا

شہر قرطبہ چار چیزوں کی وجہ سے تمام شہروں سے برتر ہوگیا ہے۔ان میں ایک وادی الکبیر کا پل ہے،اور (دوسری) اس کی جامع مسجد ہے۔

یہ دو ہیں اور قصر الزہراء تیسری ہے،اور علم سب سے افضل ہے،اور وہ قرطبہ کی چوتھی چیز ہے۔

اقبال مرحوم نے اپنی طویل نظم میں ’’وادی کبیر‘‘ کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

لوشہ(لوجا......loja)

اندلس کا ایک مشہور شہر لوشہ (لوجا) ہے، یہ غرناطہ سے تقریبا پچیس کے فاصلے پر ہے۔ اندلس کے مشہور مورخ، وزیر اور ادیب لسان الدین ابن الخطیب (متوفی:۷۷۶ھ)۱۸؎ یہیں کے باشندے تھے، وہی لسان الدین ابن الخطیب جن کی کتاب ''الاحاطة فی اخبار غرناطہ'' غرناطہ کی مستند ترین تاریخ سمجھی جاتی ہے، اور جن کے تذکرے کے لئے مقری ''نفح الطیب'' کے نام سے اپنی مشہور کتاب (دس جلدوں میں) تالیف کی جو بعد میں پورے اندلس کی بہترین سیاسی، عی، ادبی اور ثقافتی تاریخ بن گئی۔

لوشہ مسلمانوں عہد میں صوبہ غرناطہ کا نہایت ترقی یافتہ اور مشہور شہر تھا، یہاں سے علم و ادب کے بڑے شناور پیدا ہوئے۔اور یہاں آخری دور میں عیسائیوں کے ساتھ جنگوں کے دوران سرفروشی و جاں بازی کی نہ جانے کتنی داستانیں لکھی گئیں۔قشتالہ کیتھولک بادشاہ

۱۸؎......لسان الدین ابن الخطیب: غرناطہ کے امیر عبداللہ السلمانی کے وزیر بھی رہے۔والی محمد پنجم نے لسان الدین کو ابوعنان ابوالحسن والیٔ افریقہ کے پاس بھیج کر عیسائیوں کے مقابلے میں مدد چاہی، جس وقت لسان الدین اور قاضی ابوالقاسم الشریف دونوں ابوعنان کے سامنے پیش ہوئے تو ابن الخطیب نے فی البدیہ چند اشعار بادشاہ کی تعریف میں پڑھے، یہاں تک کہ اہل دربار پر وجد کی سی حالت طاری ہوگئی اور سلطان نے لسان الدین سے کہا کہ: باوجودیکہ میں تمہارے یہاں آنے کے اغراض سے واقف نہیں ہوں، لیکن اب میں ان اغراض کو معلوم کرنا بھی نہیں چاہتا، میں بلا تأمل آپ کی درخواستوں کو منظر کرتا ہوں، جس چیز کی ضرورت ہو وہ ہم سے مانگ لو۔لسان الدین نے اس خوبی سے خدمت سفارت کو انجام دیا کہ سلطان نے اسی وقت فوج کے بھیجنے کا حکم دیا، اور سفیر کو بیش بہا تحائف دے کر رخصت کیا۔

ایک سازش کے تحت ابوالعباس کو والی بنائے جانے کی کوشش میں لسان الدین کو روپوش ہونا پڑا، بالآخر گرفتار کر کے عبداللہ بن زمرق کے حوالے کئے گئے، پہلے ایک فرضی مقدمہ قائم کیا، لیکن بعض مشہور اہل علم نے ان کی طرف داری کی تو ایک روز رات کو جیل خانہ میں ایسے یکتائے زمانہ عالم کو شہید کر دیا گیا۔

فرڈی ننڈ نے: ۸۸۷ھ (۱۴۸۲ء) میں اس شہر پر حملہ کیا تو شیخ علی العطار کی قیادت میں کل تین ہزار رضا کاروں نے اس کے سامنے عزم و استقلال کی سد سکندری کھڑی کر دی، ان سرفروشوں نے فرڈی ننڈ کے ٹڈی دل لشکر کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا، اور اپنے خون پسینے سے اس شہر کی حفاظت کی، لیکن اس واقعے کے چار ہی سال کے بعد فرڈی ننڈ دوبارہ شہر پر قابض ہو گیا۔

غرناطہ......اور......الحمراء

غرناطہ، جامع غرناطہ،غرناطہ کا مثالی مدرسہ،غرناطہ کا محاصرہ اور خفیہ صلح نامہ، صلح نامہ کی:۱۶/ شرائط،اندلس سے اسلامی سلطنت کا خاتمہ اور غرناطہ پر عیسائیوں کا قبضہ۔
الحمراء کی تاریخ،اس کے دل کش فوارے، قاعۃ السفراء......اور......قاعۃ الاختین، اور جنت العریف وغیرہ کی تفصیل پر جامع اور مفید مقالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

غرناطہ

شہر غرناطہ کوہ سیرانویدا کے دامن میں آباد ہے۔غرناطہ رومی زبان میں ''انار'' کو کہتے ہیں،اب اسپین زبان میں غرناطہ کا معنی انار ہی لیا جاتا ہے۔یہی وجہ سے اس شہر میں جگہ جگہ انار کی مختلف تصاویر بڑی اور چھوٹی سائز میں نصب ہیں۔نہ معلوم اس شہر کی وجہ تسمیہ کیوں ہے؟ جب ابتدا میں مسلمانوں نے اندلس فتح کیا تو اس نام کا کوئی شہر موجود نہیں تھا، اور جس علاقہ میں آج کل غرناطہ واقع ہے اسے ''البیرہ'' کہا جاتا تھا۔تقریبا چوتھی صدی ہجری میں شہر غرناطہ بسایا گیا تو شہر البیرہ اس میں مدغم ہوگیا،اور مجموعے کا نام غرناطہ مشہور ہوگیا۔اس وقت سے یہ شہر اندلس کا سب سے ترقی یافتہ اور سب سے حسین اور متمدن شہر قرار پایا جو اپنے قدرتی مناظر،اپنی آب وہوا،اپنے طبعی اور انسانی وسائل،غرض ہر اعتبار سے ایک جنت نظیر شہر سمجھا جاتا تھا۔شہر کے ایک سرے پر سیرانویدا کی چوٹیاں بھی تھیں جو جبل الشلیر کے کوہستانی سلسلے کا ایک حصہ تھا،اور دوسری طرف ایک حسین دریا بھی تھا جسے دریائے شنیل کہتے تھے،اور آج اسے (xenil) کہا جاتا ہے۔یہ وہی دریا ہے جس کے بارے میں لسان الدین بن الخطیب نے وہ مشہور ادبی جملہ کہا تھا کہ:

''وما لمصر تفخر بنيلها ، والف منه في شنيلها''

مصر اپنے نیل پر فخر کیا کرسکتا ہے؟ کیونکہ غرناطہ اپنے شنیل میں ایک ہزار نیل رکھتا ہے۔

اس جملے میں لطیفہ یہ ہے کہ اہل مغرب کے یہاں حرف ''شین'' کے عدد ایک ہزار ہوتے تھے،اور چونکہ ''نیل'' میں شین کے اضافے سے ''شنیل'' بنتا ہے،اس سے لسان الدین نے یہ نکتہ پیدا کیا کہ ''شنیل'' کو ''نیل'' پر ہزار گنا فوقیت حاصل ہے۔

پہاڑ اور دریا کے علاوہ یہ شہر حسین مرغزاروں، شاداب سبزہ زاروں اور خوشنما آبشاروں کا شہر تھا، اور لسان الدین ہی نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا ؎

بلد تحف به الرياض كانه وجه جميل والرياض عذاره

وكأنما واديه معصم غادة ومن الجسور المحكمات سواره

اس شہر کو ہر طرف سے باغات نے اس طرح گھیرا ہوا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کوئی حسین چہرہ ہے، اور باغات اس کے رخسار ہیں۔

اور اس کا دریا کسی نازک اندام کی کلائی ہے، اواس کے مستحکم پل اس کلائی کے کنگن ہیں۔

قدرتی وسائل کے لحاظ سے بھی یہ علاقہ بڑا دولت مند تھا۔ یہاں سونے، چاندی، سیسے اور لوہے کی کانیں بھی تھیں، توتیا اور ریشم بھی پیدا ہوتا تھا، جنگلوں میں طرح طرح کی خوشبودار لکڑیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ غرض اللہ تعالی نے اس خطے کو ہر قسم کی ثروت سے مالا مال کیا تھا، اور اسی وجہ سے یہ مدتوں اندلس میں مسلمانوں کا پایہ تخت رہا۔ اور جب اندلس کے دوسرے صوبوں سے مسلمانوں کے پرچم نگوں ہوئے تو اندلس کے ہر حصے کے مسلمانوں نے اسے اپنی آخری پناہ گاہ بنایا۔ اور اس طرح اس کی آبادی کہیں سے کہیں پہنچ گئی، اور یہ اندلس کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر بن گیا۔ یہاں علم و فضل کا وہ چرچا تھا کہ اس کی درسگاہیں اپنے اعلی معیار کے اعتبار سے دنیا بھر میں مشہور ہوئیں، اور عیسائی یورپ کے شاہی خاندان کے لوگ یہاں تعلیم حاصل کرنے کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتے لگے۔

اس علاقے پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال سے زیادہ حکومت کی، اور تہذیب و تمدن کے

وہ چراغ جلائے جو اس وقت کی دنیا میں بے مثال تھے، لیکن وسائل دنیا کی فراوانی نے جب انہیں عیش وعشرت کی راہ دکھائی، اوران کی زندگی پر دین اور فکر آخرت کی گرفت ڈھیلی پڑنی شروع ہوئی تو تہذیب وتمدن کا یہ عروج انہیں زوال کے گڑھے میں گرنے سے نہ بچا سکا۔غرناطہ جہاں پہنچ کر کبھی غیر مسلم سفراء کی نگاہیں چکا چوند ہو جایا کرتی تھیں، وہی غرناطہ تھا جہاں ابوعبداللہ نے شہر کی چابیاں فرڈی ننڈ اور ازابیلا کو پیش کر کے جان کی امان پائی تو اسی کو اپنی سب سے بڑی کامیابی سمجھا، اور پھر یہ وہی غرناطہ تھا جس کے چوراہوں پر عربی کتابوں کی شکل میں علم وفضل کے ذخیرے ہفتوں تک جلتے رہے، جس کی مسجدیں کلیسا بنا دی گئیں، جس کے مسلمانوں کو بزور شمشیر عیسائی بنایا گیا، جس کی خواتین کی عصمت پر ڈاکے ڈالے گئے، اور مسلمانوں پر یہ زمین اس درجہ تنگ کردی گئی کہ کچھ عرصہ کے بعد یہاں کسی کلمہ گو کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ مسلمانوں کے عروج وزوال کی ایسی کرب انگیز تاریخ دنیا کے شاید کسی اور خطے میں پیش نہیں آئی۔

مسلمانوں کا آخری قافلہ اسی غرناطہ سے رخصت ہوا، اور اسی سرزمین نے عربوں کی سلطنت وتمدن کی آخری بہاریں دیکھیں۔اب وہاں نہ اسلامی رونق ہے نہ نمازیں اور نہ آذان کی صدائیں، اقبال مرحوم کا یہ شعر حسب حال ہے ۔

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں   آہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

جامع غرناطہ اور المدرسہ

غرناطہ میں ابھی تک اسلامی دور خلافت کی کئی یادگاریں حسرت کی نگاہوں سے دیکھنے کی ہیں، جن میں جامع غرناطہ یہ شہر کے ایک مشغول اور خوبصورت علاقے میں بڑے رقبہ پر واقع ہے۔

اس وقت قدیم طرز کے ایک چوک کے کنارے پر پتھروں کی بنی ہوئی ایک عظیم الشان عمارت ہے، جو آس پاس کی تمام عمارتوں میں سب سے ممتاز اور سرفراز ہے، اور اس کے سرے اسی طرز کا ایک بلند مینار ہے۔ عمارت کا مرکزی دروازہ کتھئی رنگ کی مضبوط لکڑی کا ہے۔ اس وقت یہ کلیسا بنا ہوا ہے، کسی وقت یہ شہر کی غرناطہ کی سب سے بڑی جامع مسجد تھی۔

غرناطہ کا مثالی مدرسہ

یہ بھی غرناطہ کی ایک عظیم الشان عمارت ہے۔ اس وقت یہ ایک یونیورسٹی ہے، اس کا نام (al...maddraza) ہے، یہ المدرہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مسلمانوں کے عہد میں یہ غرناطہ کا سب سے بڑا مدرسہ تھا، جس میں صرف غرناطہ کے ہی نہیں، دور دور کے مغربی ملکوں کے طلبہ تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ خدا جانے ہماری تاریخ کے کتنے بڑے بڑے علماء یہاں علم وفضل کے دریا بہاتے رہے ہوں گے۔ ابن الفجار، ابن مرزوق، ابوالبرکات، بلفنی، ابن الطاؤسی اور ابن فیفا جیسے مشاہیر نے یہاں تعلیم حاصل کی۔

عہد اسلام میں یہ عمارت غرناطہ کی خوب صورت عمارتوں میں شمار ہوتی تھی۔ اس کا دروازہ سنگ مرمر کا تھا، اور اس پر گھوڑے کے نعل کی شکل میں ایک محراب تھی۔ چھت پر بڑی دلآویز مینا کاری تھی، اور کھڑکیوں پر عربی تحریریں کندہ تھیں۔

یہ مدرسہ سلطان یوسف اول نے بنایا تھا۔ پھر عیسائیوں کے عہد حکومت میں چارلس اول نے :١٥٢٦ء میں اسے ایک نئی ہونیورسٹی کی شکل دی، اور عمارت میں بھی ترمیمات کیں۔

ابن الاحمر (شیخ نصر بن یوسف) نے غرناطہ پر قبضہ کیا اور یہاں کا والی وامیر رہا۔ ابن الاحمر وہی شخص ہے جس نے غرناطہ میں اس مشہور و بے نظیر قصر الحمراء کی بنیاد ڈالی تھی۔

یہ: ۱۵/ جمادی الثانی ۶۷۱ھ مطابق ۱۲۷۲ء عیسائیوں کی یورش کو دور کرنے کے بعد غرناطہ واپس ہورہا تھا کہ محل کے قریب ٹھوکر کھا کر گر گیا، اور چند روز بعد: ۲۹/ جمادی الثانی بروز جمعہ عصر کے وقت ابن الاحمر نے انتقال کیا۔ اور مقبرہ سبکہ میں دفن ہوا۔

غرناطہ کا محاصرہ اور خفیہ صلح نامہ

۱۲/ جمادی الثانی ۸۹۶ھ مطابق ۱۴۹۱ء میں فرڈی ننڈ مع اپنی کامل قوت اور قلعہ شکن توپ خانے کے غرناطہ کے سرسبز شاداب شہروں اور دیہاتوں کو تاراج کرتا ہوا قلعہ کے سامنے نمودار ہوا، چونکہ غرناطہ کی پشت پر جبل البشارات واقع تھا، اس لئے فرڈی ننڈ پورا محاصرہ نہ کر سکا، جبل شلیر سے تمام ضروری سامان شہر میں برابر آتا رہا۔ عربوں نے سات مہینے نہایت اطمینان سے دشمن کا مقابلہ کیا، اور ہر یورش میں ہزاروں عیسائی قتل ہوتے رہے، مگر جب موسم سرما کا سخت زمانہ آیا، اور بوجہ برف باری پہاڑی راستے بالکل بند ہوگئے اور غلے کی پیداوار میں بھی کمی ہوئی تو عربوں پر اس قدر سختی گزرنے لگی کہ صفر: ۸۹۷ھ میں باوجود برف باری ہزاروں البشارات کی طرف بھاگ گئے، اور جو باقی رہ گئے تھے انہوں نے سلطان سے عرض کیا کہ:

فاقے سے مرنے کے عوض ہم میدان جنگ میں تیر کھا کر مرنا پسند کرتے ہیں، گو عیسائیوں کی تعداد: ۸۰/ ہزار سے بھی زیادہ ہے، اور ہم بیس ہزار سے کم ہیں، لیکن اس کا بفضلہٖ تعالی ہماری ہمتوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیا ہم جنگ وادی لکہ جہاں امیر طارق نے بیس ہزار عربوں کے ساتھ ایک لاکھ عیسائیوں کو شکست دی تھی کبھی بھول سکتے ہیں۔ صرف تائید الٰہی ہمارے شامل حال رہنی چاہئے، اگر خدا تعالی کو یہی منظور ہے کہ ہمارے دشمن ہم پر فتح پائیں تو مشیت ایزدی میں کسی کو دخل نہیں، ہم ہر طرح راضی برضا ہیں۔

ابوعبداللہ نے اپنے وزراء سے مشورہ کیا، سب کی یہی رائے ہوئی کہ: لڑنے کی قوت ہم میں باقی نہیں، اگر جنگ میں خدانخواستہ ناکام ہوئے تو عیسائی ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ بہتر ہوگا کہ ایسے شرائط پر صلح کی جائے جس سے عامہ خلائق کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچے، سلطان نے اس رائے سے اتفاق کیا، اور ابوالقاسم عبدالملک کے ذریعہ سے فرڈیننڈ کو صلح کا پیغام بھیجا۔ عیسائی قلعہ کی اندرونی حالت سے بالکل ناواقف تھے، فرڈی ننڈ نے معمولی ردوقدح کے بعد: ۸۹۷ھ ۱۴۱۲ء میں صلح نامہ پر دستخط کردیئے۔ مگر عام مسلمان عیسائیوں کی غداری سے عاجز ہوچکے تھے، اس لئے لڑائی پر مصر تھے، تکمیل معاہدہ تک یہ کاروائی شدید راز میں رکھی گئی۔ شرائط حسب ذیل تھے:

صلح نامہ کی: ۱۶/ شرائط

(۱)...... مسلمان کے جان و مال میں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے پائے، اور وہ جہاں رہنا چاہیں شہر میں یا باہر رہنے کی اجازت دی جائے۔

(۲)...... مسلمانوں کے مذہبی امور میں عیسائی دخل نہ دیں، اور مذہبی امور کی ادائیگی میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے۔

(۳)...... کوئی عیسائی مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۴)...... مساجد اور اوقاف بدستور قائم رہیں، ان میں عیسائی دست اندازی نہ کریں، بلکہ ان کے قیام میں مسلمان کی مدد کریں۔

(۵)...... مسلمانوں کے معاملات میں شرعی قوانین کی پابندی کی جائے، اور مسلمان قاضی ان کے مقدمات کے تصفیہ کے لئے مقرر کئے جائیں۔

(۶)...... جو مسلمان عیسائی کی قید میں انہیں فوراً رہا کیا جائے، اور جو مسلمان عیسائی کی قید

سے شہر میں بھاگ آئے ہیں وہ گرفتار نہ کئے جائیں۔

(۷)......اگر کوئی مسلمان اندلس سے افریقہ جانا چاہے تو اسے اجازت دی جائے، اور سرکاری جہاز میں وہ افریقہ پہنچا دیا جائے۔

(۸)......جو عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں، انہیں ترک اسلام پر مجبور نہ کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان عیسائی ہونا چاہے تو اس اطمینان کے بعد کہ وہ برضا و رغبت خود اپنا مذہب بدل رہا ہے اس کو اجازت دی جائے، جس کے تصفیہ کا حق صرف مسلمانوں کو ہوگا۔ گو عیسائی حاکم بھی بوقت تصفیہ موجود رہ سکتے ہیں۔

(۹)......اس جنگ میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے پاس آیا ہے وہ ان ہی پاس رہے گا۔

(۱۰)......مسلمانوں کے گھروں پر عیسائی سپاہ متعین نہ کی جائے۔

(۱۱)......موجودہ ٹیکس کے علاوہ کوئی نیا ٹیکس مسلمانوں پر نہ ڈالا جائے۔

(۱۲)......تین سال تک مسلمانوں سے کسی قسم کا ٹیکس نہ لیا جائے، تمام محصول اس وقت جو وہ ادا کر رہے ہیں وہ اس وقت تک معاف کر دیئے جائیں۔

(۱۳)......سلطان ابوعبداللہ کے سپرد البشارات کی حکومت کر دی جائے۔

(۱۴)......آج سے ساٹھ روز کے اندر اس معاہدہ کے شرائط کی تکمیل پورے طور پر کر دی جائے۔

(۱۵)......معاہدہ کا اثر قائم رکھنے اور عیسائیوں کو اس کی پابندی پر مجبور کرنے کی غرض سے روما کے پوپ کے دستخط اس معاہدہ پر کرائے جائے، اور وہ اس کی تکمیل کا ذمہ دار ہوگا۔

(۱۶)......ساٹھ روز کے اندر شہر غرناطہ اور قلعہ الحمراء اور توپ خانہ اور دیگر تمام سامان جنگ جو اس وقت قلعہ میں موجود ہے عیسائیوں کے قبضہ میں دے دیئے جائیں۔

اندلس سے اسلامی سلطنت کا خاتمہ اور غرناطہ پر عیسائیوں کا قبضہ

صلح نامہ کی کاروائی کو پوشیدہ رکھنا کوئی آسان کام نہ تھا، کسی طرح لوگوں کا اس کا علم ہوگیا، چونکہ پہلے ہی مسلمان سلطان کو فرڈی ننڈ کا دوست سمجھتے تھے، اور خیال یہ تھا کہ اس میں قوم کی محبت اور حمیت باقی نہیں رہی ہے، اس وحشت ناک خبر کو سن کر کہ عنقریب سلطان دارالسلطنت غرناطہ کو بلا جنگ کے عیسائیوں کے حوالے کردینے والا ہے، عام بددلی پھیل گئی۔ سلطان نہایت پریشان ہوا اور اس خیال سے کہ کہیں بغاوت بنے بنائے کام کو بگاڑ نہ دے، ساٹھ روز کے قبل ہی بتاریخ: ۱۲/ربیع الاول ۸۹۷ھ مطابق ۱۴۹۲ء دارالسطنت کو عیسائیوں کے سپرد کردیا۔

فرڈی ننڈ نے اپنے مذہبی پیشوا مندوزہ سے درخواست کی کہ:

’’وہ مع فوج پہلے شہر میں داخل ہو، اور قلعہ الحمراء کے سب سے بلند برج پر جہاں ابھی اسلام کا نشان دھیمی ہوا میں لہرارہا تھا صلیب کو نصب کردے، اس نیک شگون کو دیکھتے ہی میں خود مع ملکہ ازابیلا کے شہر میں ہوں گا‘‘۔

جب ابوعبداللہ نے مندوزہ کو قلعہ میں آتے دیکھا مع پچاس امراء کے گھوڑے پر سوار قلعہ کے باہر نکل آیا، اس وقت کا سماں دیکھنے کے قابل تھا۔ شہر پر اداسی چھائی ہوئی تھی، مسلمانوں کے دم میں دم نہ تھا، ان کے دلوں پر جو صدمہ گزر رہا تھا، اس کا احاطۂ تحریر میں لانا غیر ممکن ہے، ادھر تو یہ کہرام عظیم اور ادھر عیسائیوں کی جانب سے نقارہ ہائے شادمانی کی آواز بلند تھی، فرڈی ننڈ اور ملکہ اپنے لباس شاہانہ اور زرہ فولادی پہنے ان کے دائیں بائیں تمام اعیان ریاست اور افسران فوج اپنے لشکر کے ساتھ استادہ تھے، نظریں سب کی الحمراء کے برج کی طرف تھیں، اور صلیب کے ظہور کا انتظار تھا، ابوعبداللہ نے قصر کے دروازہ کو

جس میں سے یہ باہر نکلا تھا، اس غرض سے اپنے سامنے چنوا دیا کہ اس کے بعد کوئی دوسرا اس کے ذریعہ سے قصر میں نہ داخل ہو سکے، اور یہ دروازہ اس وقت تک اسی حالت میں کھڑا ہے، اور اہل دنیا کے لئے ایک عبرت گاہ ہے۔ سلطان سیدھا فرڈی ننڈ کی طرف آیا۔ فرڈی ننڈ نے فوراً گھوڑے سے اتر کر اسے گلے لگایا۔ سلطان نے قلعہ کی کنجیاں دے کر کہا کہ: خدائے تعالیٰ نے تجھ کو فتح عطا فرمائی ہے، تجھ کو چاہئے کہ اپنی مفتوحہ قوم کے ساتھ رحم دلی اور شفقت سے پیش آئے۔ فرڈی ننڈ چاہتا تھا کہ تشفی آمیز الفاظ زبان سے کہے، سلطان بغیر توقف آگے بڑھ گیا، اور ملکہ ازابیلا سے ملتا ہوا البشارات جہاں اس کا تمام مال واسباب اور رشتہ دار جا چکے تھے، روانہ ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب ابوعبداللہ محمد ''البشارات'' ۱۹ کی ایک پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا، تو بے ساختہ اس نے گھوڑے کو غرناطہ کی طرف موڑا، اور اپنے خاندان کی گزشتہ عظمت وشان پر آخری نظر ڈال کر زاروقطار رونے لگا۔ اس کی ماں نے جو اس وقت ساتھ تھی، یہ حالت دیکھ کر اپنے زخمی دل کو سخت کیا، اور کہا کہ: جب تو باوجود ایک مرد سپاہی پیشہ ہونے کے اپنے ملک کو نہ بچا سکا تو اب مثل عورتوں کے ایک گم شدہ شئی پر رونے سے کیا فائدہ؟

ابوعبداللہ نے ایک آہ سرد کھینچی، اور جواب دیا کہ: جو صدمہ کہ اس وقت میرے قلب پر

۱۹...... مالقہ سے تقریباً بیس پچیس میل قبل خوبصورت پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، یہ اندلس کا کہسار ''البشارات'' (al...puxarras) کا سلسلہ ہے، جو غرناطہ کے جنوب میں بحر متوسط کے ساتھ المریہ تک چلا گیا ہے۔ یہ کبھی اندلس کا حسین ترین خطہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ قدرتی مناظر کے اعتبار سے بے انتہا حسین ہے۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں ابوعبداللہ غرناطہ کے تخت سے محروم ہونے کے بعد کچھ عرصے تک مقیم رہا۔

اے گلستان اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھ کو تھا تیری ڈالیوں پر جب آشیاں ہمارا

گزر رہا ہے، وہ کسی دوسرے کو ہرگز کبھی نصیب نہ ہوگا۔ چنانچہ یہ مقام اس وقت تک ''دم واپسین عرب'' کے نام سے مشہور ہے۔

الغرض تھوڑی دیر میں چاندی کی صلیب قلعہ کے برج پر آفتاب کی شعاعوں سے چمکنے لگی۔ عیسائیوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے، اور فرڈیننڈ مع ملکہ ازابیلا نہایت تزک و احتشام سے غرناطہ میں داخل ہوا، اور قلعہ الحمراء میں اقامت اختیار کی۔ یہ بے نظیر قصر جس کی تعریف میں تمام جہاں کی زبانیں سوکھی جاتی تھیں، آنِ واحد میں عربوں کے قبضہ سے نکل گیا۔

الحمراء

یہ عظیم الشان تاریخی قلعہ اصلاً چوتھی صدی میں تعمیر ہوا تھا، اس کے بعد غرناطہ کے مختلف حکمران اس میں کمی بیشی کرتے رہے، یہاں تک کہ محمد بن الاحمر النصری نے: ٦٣٥ھ میں اس میں بہت اضافے کرکے اسے مرکز سلطنت کی شکل دے دی، پھر ساتویں صدی میں ہجری کے آخر میں اس کے بیٹے محمد بن احمر نے جو''غالب باللہ'' کے لقب سے مشہور تھا، اس قلعہ میں وہ شاہی محل تعمیر کیا جو'''قصر الحمراء'' کے نام سے مشہور ہے، اس کے بیٹوں نے اس محل میں طرح طرح کی جدتیں پیدا کرکے اسے اپنے زمانے میں فن تعمیر و آرائش کا ایک شاہکار بنادیا۔

''الحمراء'' کا پورا علاقہ جس میں قلعہ، شاہی محل اور باغات وغیرہ سب داخل ہیں، طول میں: ٧٣٦ر میٹر اور عرض میں تقریباً دو سو میٹر ہے، اور اس کے گرد ایک مضبوط فصیل ہے جس کے کچھ حصے ابھی تک باقی ہیں۔ قدم قدم پر شکستہ عمارتیں عہد ماضی کی داستانیں سنا رہی ہیں، دروازے کے قریب ترین تاریخی جگہ''برج الحراسہ'' ہے جو''الحمراء'' کا سب سے بلند ترین برج ہے، اور جسے''القصبہ'' بھی کہا جاتا ہے، اسی برج پر کبھی مسلمانوں کا پرچم لہرایا کرتا تھا، لیکن جب غرناطہ کے آخری حکمران ابوعبداللہ نے فرڈی ننڈ کو الحمراء کی چابی کا ''تحفہ'' چاندی کی طشتری میں رکھ کر پیش کردیا تو فرڈی ننڈ نے سب سے پہلا فاتحانہ قدم یہ اٹھایا کہ اس برج سے مسلمانوں کا پرچم اتروا کر پادریوں کے ہاتھوں یہاں ایک لکڑی کی صلیب نصب کی، وہ دن اور آج کا دن یہ صلیب یہاں نصب چلی آرہی ہے۔

''برج الحراسہ'' کا یہ حصہ''الحمراء'' کا فوجی اور دفاعی حصہ تھا، اس کے آس پاس بھی فوجی انداز کی عمارتوں کے باقی ماندہ آثار موجود ہیں۔''الحمراء'' کا شاہی محل یہاں سے مشرق میں

کچھ فاصلے پر واقع ہے، اور راستے میں متعدد بوسیدہ عمارتوں اور کھنڈروں سے گذرنا پڑتا ہے۔ کہیں چھوٹے چھوٹے کمروں کی شکستہ دیواریں، کہیں گہرے سلاخوں کے پیچھے بنی ہوئی کوٹھریاں جو قید خانے کے طور پر استعمال ہوتی ہوں گی، کہیں گہرے کنویں، کہیں سرنگیں اور خفیہ راستے، کہیں اترتے زینے، کہیں فصیل پر بنی ہوئی دفاعی چوکیاں۔ غرض ایک دفاعی قلعہ کا پورا نقشہ اپنی شکوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔

فوجی قلعے اور شاہی محل کا درمیانی فاصلہ طے کرنے کے بعد محل میں داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ ہے۔ اور یہاں سے وہ عظیم الشان محلات شروع ہوتے ہیں جن کے حسن وجمال کی وجہ سے ''الحمراء'' دنیا بھر میں مشہور ہوا۔ سب سے پہلے محل کا وہ حصہ آتا ہے جسے تاریخوں میں ''ماسدہ'' یا مربض الاسود'' کہا گیا ہے۔ یہ خوشنما محرابوں والے چار برآمدوں میں گھرا ہوا ایک صحن ہے جس کے بیچ میں ایک حوض ہے۔ اس حوض کے نیچے چاروں طرف شیر نما مجسمے بنے ہوئے ہیں، جن کی آنکھیں، ناک اور چہرے کے نقوش غالباً بالارادہ نہیں بنائے گئے تاکہ بت کی شکل نہ بن جائے۔ ان کے منہ کی جگہ سے پانی فواروں کی شکل میں ابلتا رہتا ہے، یہ محل کا نہایت خوبصورت حصہ سمجھا جاتا ہے۔

دل کش فوارے

''الحمراء'' میں جگہ جگہ بڑے دل کش فوارے لگائے گئے ہیں، بلکہ پورے اسپین میں اس طرح فواروں کا خوب رواج ہے، جن میں ہر وقت پانی کی آمد ورفت رہتی ہے، کسی میں پانی اوپر نیچے کی طرف اترتا ہے تو کسی میں نیچے اوپر کی طرف اڑان لئے ہوئے ہوتا ہے، کہیں طول میں کہیں عرض میں، کہیں کثیر تعداد میں کہیں کم مقدار میں، الغرض بڑے سلیقے سے ان فواروں کو بنایا گیا ہے، جن سے گرمی میں کمی اور ہلکی سی ٹھنڈک محسوس ہوتی

ہے۔''الحمراء'' کے بعض فواروں کے بارے میں لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ بلا کسی بجلی اور مشین کے جاری رہتے ہیں۔ خلافت اسلامیہ کے زمانے سے ہی وہ ایک انوکھے انداز سے اس طرح بنائے گئے ہیں کہ آج تک ترقی یافتہ دنیا اس کی صنعت سے حیران ہے۔ بہت ممکن ہے کہ زمین کی قدرتی جاذبیت کے نتیجے سے پانی اوپر سے نیچے یا نیچے اوپر آتا جاتا ہو، واللہ اعلم۔

قاعۃ السفر اء......اور......قاعۃ الاختین

اسی ماسدہ کے متصل محل کا وہ حصہ بھی ہے جسے''قاعۃ السفر اء'' کہا جاتا ہے، اور جہاں بادشاہ غیر ملکی سفیروں سے ملاقات کیا کرتا تھا، اس کی دیواروں پر پوری سورۂ ملک خوبصورت خط میں لکھی ہوئی ہے۔ یہیں بیگمات کے کمرے بھی ہیں، شاہی حمام بھی ہیں۔ ان تمام عمارتوں میں حسین ترین سنگ مرمر استعمال ہوا ہے، اور پتھروں کی اتنی نفیس مینا کاری کی گئی ہے کہ آج کے مشینی دور میں بھی پتھر کو اس طرح موم بنانے کا تصور مشکل ہے۔ دیواروں اور چھتوں پر ہر جگہ''لا غالب الا اللہ'' خوبصورت عربی خط میں لکھا ہوا ہے جو نبی احمر کا شعار تھا۔ کمرے میں پتھروں کو تراش تراش کر اندلسی خط میں عربی قصیدہ بھی لکھا ہوا ہے جسے پورا پڑھنے کے لئے بھی طویل وقت درکار ہے۔

یہیں وہ مشہور''قاعۃ الاختین''(two sisters hall) بھی ہے جو بالکل ایک جیسے مرمر کے دو پتھروں سے بنا ہوا ہے۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اسے''دو بہنوں کا ہال'' کہتے ہیں۔ اور غرناطہ کے آخری تاجدار ابو عبداللہ کی غمزدہ ماں جو ابوالحسن جیسے مجاہد بادشاہ کی بیوی تھی، اور عیسائیوں کے ساتھ ابو عبداللہ کے تعلقات اسے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے، اسی کمرے میں رہا کرتی تھی۔ ان میں بیشتر عمارتوں کی شمالی کھڑکیاں غرناطہ کی طرف کھلتی

ہیں جہاں سے پہاڑ کے دامن میں غرناطہ کا مشہور محلّہ ''حی البیازین'' پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اور یہاں سے محل کے باشندے شہر کی مجموعی کیفیت کا ہر وقت مشاہدہ کر سکتے تھے۔

ان محلاتی عمارتوں کے ساتھ بڑے خوبصورت باغ بنے ہوئے ہیں جہاں سے ایک طرف سیرا نوید کی دل فریب چوٹیوں اور دوسری طرف الحمراء کی حسین عمارتوں کا منظر نگاہوں کے سامنے رہتا ہے۔

''الحمراء'' وہ بے نظیر قصر ہے جو صرف کثیر سے شہر کے قریب ایک نہایت بلند ٹیلے پر جبل شلیر کی برف سے چھپی ہوئی چوٹیوں کے سایہ میں تیار کیا گیا تھا۔اس کی چار دیواری کے اندر ایسے خوشنما سبز وشاداب باغ، نہرہائے شیریں ودرخت ہائے میوہ جاتے، جن پر انواع واقسام کے پرندوں کی خوش الحانی سے تمام قصر گونج جاتا تھا آراستہ تھے۔اس قصر کی ہر ایک چیز قابل دید اور اس قدر حیرت انگیز ہے کہ جس کو دنیا کے مشہور صناع اور دست کار دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں، اور اس کی بلند دیواروں کی گچ کی صفائی جو اس وقت تک سنگ مرمر سے زیادہ چمکدار، اور لوہے سے زیادہ مضبوط، اور جالیدار دیواروں کی طرح کی نازک گلکاریاں اور اس کی نئی وضع کی محرابوں سے ایک ایک لٹکتی ہوئی قلم سے نزاکت ٹپکتی ہے، گھنٹوں عالم محویت میں خدا تعالی کی قدرت کا تماشا دیکھا کرتے ہیں۔الغرض ''الحمراء'' کی کما حقہ تعریف سے ادیبوں کے قلم اور خطباء کی زبانیں عاجز ہیں۔

سماں وہ بھی ہے تیرا دیکھنے کے لائق وقابل

الحمراء کی تعریف میں ایک شاعر نے عربی اشعار کا ترجمہ کیا ہے:

کیا جنات نے آراستہ جس قصر شاہی کو
بنایا جس کو گھر ہر رنگ کی نغمہ سرائی کا

نظر آتا ہے عالم خواب کا سارا طلسماتی
وہ الحمراء ہے الحمراء ، نہیں جس کا کہیں ہمتا
ہزار افسوس تیری بے کسی اور زار حالت پر
کہ اب تو منہدم ہوتا چلا ہے حسرتا دردا
ترا وہ قلعہ اور وہ کنگرہ دار اس کی دیواریں
وہ اب گرتی چلی جاتی ہیں' ہے سماں جن میں تنزل کا
جہاں کانوں میں جادو کی صدائیں شب کو آتی ہیں
جہاں شاہد ہے تیری عظمت و شوکت کا ہر ذرا
جہاں چاند اپنی نورانی شعاعوں سے بصد خوبی
ترے دیوار و در کو عمدگی سے آپ ہے دھوتا
سماں وہ بھی ہے تیرا دیکھنے کے لائق و قابل
نہیں الفاظ میں جس کا بیانِ لطف آ سکتا

ایک عربی شاعر نے کسی باغ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اشعار کہے تھے وہ ''الحمراء'' کے بارے میں بہت موزوں ہیں ؎

ولما نزلنا منزلا طلّه الندی انیقا و بستانا من النور حالیا
اجد لنا طیب المکان وحسنه منی فتمسنا ' فکنت الامانیا

جب ہم شبنم سے شاداب مقام اور گل وغنچہ سے مہکے ہوئے باغ میں اترے۔
تو حسن مقام نے ہمارے دل میں چند آرزوئیں پیدا کردیں، اور ان آرزوؤں کی جان تمہیں تھے۔

جنت العریف

الحمراء کے شمال مشرق میں ایک مستقل ٹیلے پر عمارتوں اور باغات کا ایک اور سلسلہ ہے جسے ''جنت العریف'' (generalife) کہا جاتا ہے۔ غرناطہ کے کسی حکمران نے یہ شاندار باغ ایک شاہی تفریح گاہ کے طور پر تعمیر کیا تھا۔ سیرا نویدا کے ڈھلان پر یہ کئی خوبصورت محل نما عمارتوں پر مشتمل ہے، اور ان عمارتوں کے سامنے انواع و اقسام کے درختوں اور پودوں سے بڑے حسین سبزہ زار بنائے گئے ہیں۔ اس عمارت کے مرکزی دروازے سے محل کی عمارت تک ایک طویل راہداری تمام تر سبز بیلوں سے بنی ہوئی ہے، اس کی دیواریں، چھت اور درمیانی محرابیں سب سبزے کو اس طرح تراش کر بنائی گئی ہیں کہ انسان اس کے بنانے والوں کی خوش مزاقی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس باغ میں بکثرت پانی کے چشمے لگائے گئے ہیں، جن میں صاف ستھرا اور ٹھنڈا پانی ہر وقت جاری رہتا ہے۔

اس باغ کی اور ایک قابل ذکر چیز اوپر چڑھنے والی وہ سیڑھیاں ہیں جن کے دونوں طرف بنائے گئے دستے ہیں جن میں بھی پانی جاری ہے۔ ایک افسر سے جب یہ سوال کیا گیا کہ: یہ پانی کہاں سے آتا ہے؟ تو اس نے کہا: یہ تو تم لوگ جاری کر کے گئے تھے، آج تک ہمیں بھی پتہ نہیں اتنا ٹھڈا اور اتنی وافر مقدار میں پانی کس طرح اور کہاں سے آتا ہے؟

ابوعبداللہ جس کی حماقت اور نااہلی سقوط غرناطہ کا سب سے بڑا ظاہری سبب تھی، جب الحمراء چھوڑ کر جانے لگا تو اور ایک ٹیلے کی بلندی سے اس نے ''الحمراء'' پر آخری نظر ڈالی تو وہ آنسو ضبط نہ کر سکا، اور بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس کی والدہ ملکہ عائشہ جو اپنے بیٹے کی نااہلیوں کو مدت سے دیکھتی آرہی تھیں، انہوں نے اسے روتے دیکھا تو کہا کہ: بیٹا! مردوں

کی طرح میدان جنگ میں کوئی کارنامہ نہ دکھا سکا تو بچوں کی طرح رونے سے کیا فائدہ؟

ایک عربی شاعر نے کسی باغ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اشعار کہے تھے وہ ''جنت العریف'' کے بارے میں بہت موزوں ہیں۔

ولـمـا نزلنا منزلا طلّه الندی انیـقـا و بستانا من النور حالیا

اجد لنا طیب المکان وحسنه مـنـی فتمسنا ' فکنت الامانیا

جب ہم شبنم سے شاداب مقام اور گل وغنچہ سے مہکے ہوئے باغ میں اترے۔

تو حسن مقام نے ہمارے دل میں چند آرزوئیں پیدا کر دیں، اور ان آرزوؤں کی جان تمہیں تھے۔

مدینۃ الزہراء

مدینۃ الزہراء کی تاریخ، اس کی بنا کا خرچ، اس کا طول وعرض، اوراس کے برج اورستون، اس کے ملازمین کی تعداد، مدینۃ الزہراء کی بنا کی وجہ، قصر الخلفاء، مدینۃ الزہراء کی بنا پر اسراف اور قاضی منذر رحمہ اللہ کی حق گوئی، ایک شاعر کے اشعار میں ''مدینۃ الزہراء'' کا تذکرہ، ''مدینۃ الزہراء'' ۴۰ رسال میں بنا مگر: ۳۵ رسال بہار دکھا سکا، ''مدینۃ الزہراء'' کی کھدائی اور ''مجلس المونس'' کی اصلی حالت، عبدالرحمٰن اول نے بویا ہوا کھجور کا درخت...... سرزمین زندلس میں اور ''جبل العروس'' کی تاریخ وغیرہ امور پر تحقیقی مقالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

مدینۃ الزہراء

عبدالرحمٰن نے جامع قرطبہ کے علاوہ قرطبہ سے چار میل کے فاصلے پر ''جبل العروس'' کے پرفضا دامن میں ایک رفیع الشان قصر تیار کیا، یہ ''مدینۃ الزہراء'' ہے۔ یہ اس قدر وسیع عمارت تھی کہ اس کو قصر نہیں بلکہ ''مدینۃ الزہراء'' کہا جانے لگا، جس میں شاہی مکانات اور متعدد باغات کے علاوہ ہزاروں ملازمین، اور فوج شاہی کے لئے علیحدہ عمارتیں تیار کی گئی تھیں۔ اس محل کی وسعت کا اندازہ صرف اسی سے ہوسکتا ہے کہ اس کے حدود کی دیواروں میں پندرہ ہزار بلند مضبوط اور مزین دروازے تھے۔

مدینۃ الزہراء پر خرچ، اس کا طول وعرض، اور اس کے برج اور ستون

جس وقت یہ قصر ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار سرخ (سونے کا سکہ، اشرفی) کی لاگت سے تیار ہوا سلطان مع الزہراء کے اس میں رونق افروز ہوا۔ طول اس قصر کا تقریباً چار میل، اور عرض قریب تین میل کے تھا۔ دس ہزار معمار اور مزدور اور قریب قریب چار ہزار اونٹ اور خچروں سے روزانہ اس کے بنانے میں کام لیا جاتا تھا، قصر چار ہزار تین سو سولہ برجوں اور ستونوں پر قائم تھا، جو اقسام پتھروں مثل سنگ مرمر وغیرہ کے بنے ہوئے تھے۔ ان ستونوں میں سے بعض ستون بادشاہان یورپ مثل فرانس اور قسطنطیہ وغیرہ نے تحفۃً عبد الرحمٰن کو بھیجے تھے، باقی خاص اندلس کے معادن (کانوں) کے تھے۔ کچھ سنگ مرمر عبداللہ اور حسن بن محمد اور علی بن جعفر کی نگرانی اور ذریعہ سے افریقہ سے بھی منگایا گیا تھا، ان ستونوں کو اندلس پہونچانے کی اجرت دس دینار سرخ فی ستون مقرر کی گئی تھی۔

قصر میں دو فوارے نصب کئے گئے تھے: ایک جو سب سے بڑا تھا اس پر اس قدر ملمع کیا گیا تھا کہ خالص سونے کا معلوم ہوتا تھا، اور اس پر نہایت خوشنما انسانی صورتیں بنی ہوئی

تھیں، احمد یونانی اور ربیع پادری اس فوارہ کو قسطنطنیہ سے لائے تھے۔ چھوٹا سا فوارہ سنگ سبز کا شام سے منگوایا گیا تھا۔ یہ اس قدر خوبصورت تھا کہ خلیفہ نے اس کو ''قصر المونس'' میں نصب کرنے کا حکم دیا تھا۔ بارہ پرند اور چرند جانوروں کی صورتیں، مختلف جواہرات اور سونے سے بنی ہوئی اس میں لگائی تھیں، اور ہر جانور کے منہ اور چونچ میں سے پانی کا فوارہ جاری ہوتا تھا۔ اس فوارہ میں کاریگر نے وہ دست کاری ظاہر کی تھی کہ جن اہل یورپ سیاحوں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، بیان کرتے ہیں کہ: دیکھنا اور سننا تو در کنار، خواب وخیال کو بھی یہاں مجال دخل نہ تھی۔

مدینۃ الزہراء کے ملازمین کی تعداد

اس قصر کے انتظام اور نگہبانی کے لئے تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازم، اور تیرہ ہزار تین سو بیاسی غلام قوم نصاری متعین تھے۔ اندر حرم سرا کے چھ ہزار عورتیں خدمت گزری کے لئے حاضر رہا کرتی تھیں۔ حوضوں میں روزانہ بارہ ہزار روٹیاں علاوہ اشیاء کے مچھلیوں کے لئے ڈالی جاتی تھیں۔

مدینۃ الزہراء کی بنا کی وجہ

''مدینۃ الزہراء'' ایک چھوٹا سا شاہی شہر تھا جو خلفاء قرطبہ اور ان کے متعلقین کی رہائش کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس شہر کی تعمیر کی ابتدا: ۳۲۵ھ میں خلیفہ عبد الرحمٰن الناصر نے کی تھی، اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے خلیفہ عبد الرحمٰن الناصر کی ایک کنیز بہت سا ترکہ چھوڑ کر مر گئی تھی، خلیفہ نے حکم دیا کہ اس ترکہ کی رقم ان مسلمان قیدیوں کی رہائی میں خرچ کی جائے جو عیسائیوں کے پاس قید ہیں، جب تحقیق کی گئی تو عیسائیوں کی قید میں بہت کم مسلمان قیدی دریافت ہوئے، اور ان کو رہا کرانے کے باوجود اس دولت کا بہت بڑا حصہ باقی رہ

گیا۔اس موقع پر خلیفہ کی ملکہ ’’زہراء‘‘ نے یہ خواہش ظاہر کی اس کے نام پر ایک شاندار شہر تعمیر کیا جائے۔خلیفہ ناصر نے اس کی خواہش کی تکمیل میں ’’مدینۃ الزہراء‘‘ کی تعمیر شروع کردی۔

مدینۃ الزہراء کا طول وعرض......اور قصر الخلفاء

’’مدینۃ الزہراء‘‘ کے اکثر حصے کی تعمیر پچیس سال میں خلیفہ ناصر ہی کے عہد حکومت میں مکمل ہوگئی تھی،لیکن اس کی بہت سی عمارتیں بعد میں خلیفہ الحکم ثانی کے زمانے میں بنیں۔

اس وقت شہر کا طول شرقاً غرباً:۲۷۰۰/ذراع اور عرض شمالاً جنوباً:۱۷۰۰/ذراع تھا۔

’’مدینۃ الزہراء‘‘ شاہی محلات‘ درباروں‘ مجلسوں‘ جامع مسجد اور شاہی خاندان کے رہائشی مکانوں پر مشتمل تھا،اور اپنے وقت میں دنیا کا سب سے حسین شہر سمجھا جاتا تھا۔

’’مدینۃ الزہراء‘‘ کا قصر شاہی اپنے حسن وجمال‘ شان وشوکت اور شکوہ وجلال کی اعتبار سے دنیا بھر میں اپنی مثال آپ تھا،اور ایشیاء اور یورپ کے بڑے بڑے ملکوں کی سفارتیں بعض اوقات صرف اسے دیکھنے کے لئے آیا کرتی تھیں۔

اس محل کا ایک ایوان ’’قصر الخلفاء‘‘ کہلاتا تھا،اس کی چھت اور دیواریں سونے اور شفاف مرمر کی تھیں، بیچ میں چھت سے وہ جوہر عجیب لٹکا ہوا تھا جو قسطنطنیہ کے بادشاہ لیو نے خلیفہ ناصر کو تحفے میں بھیجا تھا۔اس ایوان کے بالکل بیچ میں ایک خوبصورت حوض تھا جس میں پارہ بھرا رہتا تھا،اور ایوان کے ہر حصہ میں آٹھ آٹھ محرابوں والے در تھے۔محرابیں رنگ برنگ کے سنگین اور بلوریں ستونوں پر قائم تھیں،اور کواڑ آبنوس اور ہاتھی دانت کے تھے،جن پر سنہرا کام کرکے اس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔جب دھوپ اس ایوان کے اندر آتی تو چھت اور دیواریں اس طرح چمکنے لگتیں کہ دیکھنے والوں کی نظر خیرہ ہوجاتی

تھی۔ جب خلیفہ ناصر اس کمرے میں ہوتے اور حاضرین پر رعب طاری کرنا مقصود ہوتا تو اپنے کسی ملازم کو اشارہ کر دیتے کہ حوض میں جو پارہ بھرا ہوا ہے اس کو ہلا دے، پارے کے ہلنے سے دھوپ کی شعائیں بجلی کی طرح پورے کمرے میں کوندنے لگتیں، اور بالکل ایسا محسوس ہوتا جیسے پورا کمرہ گردش کر رہا ہے۔ بعض غیر ملکی سفراء جو ایوان کے اس راز سے واقف نہ ہوتے اس منظر کو دیکھ کر رعب سے کانپنے لگتے تھے۔

''مدینۃ الزہراء'' اس طرح کے خدا جانے کتنے عجائب پر مشتمل تھا، اس میں مصنوعی دریا بھی بنائے گئے تھے، اور جانوروں کے باغ بھی جن میں وہ اپنے قدرتی ماحول کے ساتھ رہتے تھے۔ آج کی دنیا میں جانوروں کے محفوظ باغ (game reserve) بنانے کا جو دستور نکلا ہے اس کی ابتدا ''مدینۃ الزہراء'' ہی سے ہوئی تھی۔

الغرض یہ محل شاہی نادر الوجود تھا، یہ قصر کیا تھا؟ خلافت اندلس کی شان و شوکت، اور عظمت و بزرگی، اور رعب داب کا مرکز تھا۔ عربوں نے اپنی صنعت و حرفت کو اس قصر پر ختم کر دیا تھا اور اس کو اپنی صنعت و حرفت اور دست کاری کی نمائش بنا دیا تھا۔

جس وقت کا دنیا کا یہ عظیم شاہی محل تعمیر ہو رہا تھا، اس وقت کے شاہی جامع مسجد کے خطیب اور امام قاضی منذر بن سعید رحمہ اللہ تھے، موصوف خلیفہ کی عیش و عشرت پر کی جانے والی فضول خرچیوں پر دل کھول کر تنقید کرتے تھے۔

مدینۃ الزہراء کی بنا پر اسراف اور قاضی منذر رحمہ اللہ کی حق گوئی

ایک مرتبہ خلیفہ ناصر اس ایوان میں بیٹھ کر اپنے مصاحبوں سے کہہ رہا تھا کہ: دنیا میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ نے بھی تعمیر کی تاریخ میں ایسا کارنامہ انجام دیا ہے جیسا میرے ہاتھوں اس ایوان کی تعمیر سے ظاہر ہوا؟ بادشاہ کے خوشامدی درباریوں نے خلیفہ کی

تعریف اور اس کی تائید کی، اتنے میں قاضی منذر بن سعید رحمہ اللہ [۲۰] بھی تشریف

[۲۰]......قاضی منذر بن سعید البلوطی رحمہ اللہ: علم وفقہ اور مشہور عالم تھے۔فن عروض اور شعر وسخن میں کمال دست گاہ رکھتے تھے۔ایک مرتبہ عبدالرحمٰن نے علمائے حاضر کوحکم دیا کہ وہ اسلام کی شان وشوکت اور بزرگی اور خلفاء اندلس کی فتوحات بیان کریں، لیکن حاضر دربار کے دلوں میں کچھ ایسا رعب چھایا ہوتھا کہ ان مشہور علماء میں یکے بعد دیگرے ہر شخص نے تقریر شروع کی، مگر زیادہ نہ بول سکے۔خلیفہ نے ولی عہد کے اتالیق ابوعلی القالی کی طرف اشارہ کیا، یہ حال ہی میں عراق سے اندلس آئے تھے، اور علم وفضل میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے، مگر ان کو بھی قوت گویائی نہ ہوئی۔ یہ حالت دیکھ کر قاضی منذر بن سعید اپنے مقام پر کھڑے ہوئے اور خوش اسلوبی اور نہایت شستہ تقریر میں خلیفہ کے حکم کی تکمیل کی، اور ایک ایسا پر جوش برجستہ قصیدہ پڑھا کہ اہل دربار کی زبانوں پر تعریف جاری ہوگئی۔خلیفہ اس قدر خوش ہوا کہ ان کو اسی وقت قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز کردیا۔

ایک مرتبہ خلیفہ نے محل بنانے کی غرض سے ایک مکان پسند کیا، اور اسے خریدنے کا حکم دیا۔اتفاق سے وہ مکان یتیم بچوں کی ملک تھا، اور یہ بچے قاضی منذر کی نگرانی میں تھے، قاضی منذر کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو مکان فروخت کرنے سے انکار کردیا، اور کہلا بھیجا کہ: یتیموں کی جائداد اس وقت منتقل ہوسکتی ہے جب اس میں تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پائی جائے:

(۱)......یا تو کوئی سخت ضرورت لاحق ہو۔

(۲)......یا جائداد کے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہو۔

(۳)......یا ایسی قیمت ملتی ہو کہ جس کے قبول کرنے میں یتیموں کا آئندہ فائدہ متصور ہو۔

فی الحال ان شرائط میں سے کوئی شرط موجود نہیں ہے، اور جو قیمت ملازمین شاہی نے اس جائداد کی تجویز کی ہے وہ بہت کم ہے۔

خلیفہ نے دیکھا کہ قاضی منذر قیمت بڑھائے بغیر باز نہ آئیں گے، اور قاضی منذر کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں خلیفہ اس مکان کو جبرا نہ لے لے، فورا حکم دیا کہ مکان منہدم کردیا جائے، بعد میں زمین دوگنی قیمت پر شاہی ملازمین کے ہاتھ فروخت کی۔ جب خلیفہ نے یہ سنا تو فورا قاضی صاحب سے مکان گرا دینے کا سبب پوچھا۔قاضی صاحب نے بلاخوف عرض کیا کہ:

''جس وقت میں نے مکان گرانے کا حکم دیا، مجھے وہ واقعہ یاد آیا جہاں چند غریب آدمی ایک جہاز

لائے، خلیفہ ناصر نے ان کے سامنے بھی اس ایوان کی تعمیر اور اس کی سونے کی چھت کو اپنا قابل فخر کارنامہ قرار دیا۔ اس پر قاضی منذر نے فرمایا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل وکرم سے بہت نوازا ہے، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ اس فضل وکرم کو چھوڑ کر کسی ایسی بات پر فخر کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے بیان فرمائی ہے۔ خلیفہ ناصر نے کہا: وہ کیسے؟ اس کے جواب میں قاضی منذر رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ، وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّکِئُوْنَ، وَ زُخْرُفًا ط وَ اِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ط وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾۔

(پ:۲۵۔سورۂ زخرف: آیت نمبر:۳۳ تا ۳۵)

ترجمہ:......اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام انسان ایک ہی طریقے کے (یعنی کافر) ہو جائیں گے تو جو لوگ خدائے رحمٰن کے منکر ہیں، ہم ان کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی بنا دیتے، اور سیڑھیاں بھی جن پر سے وہ چڑھتے ہیں۔ اور ان کے گھروں کے دروازے بھی، اور وہ تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، بلکہ انہیں سونا بنا دیتے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دنیوی زندگی کا سامان ہے۔ اور آخرت

کے ذریعہ اپنا گذران کرتے تھے، لیکن جہاز کو بہت ہی شکستہ حالت میں رکھتے تھے، اس لئے کہ اس ملک کے بادشاہ میں یہ بری عادت تھی کہ جس کے پاس اچھا جہاز دیکھتا تھا جبراً چھین لیتا تھا''۔

(یہ اشارہ قرآن پاک کی آیت کی طرف تھا) عبدالرحمٰن یہ سن کر خاموش ہو گیا، اور اس وقت سے قاضی صاحب کو اور زیادہ عزیز رکھنے لگا۔

قاضی منذر کا انتقال: ۳۵۵ھ میں ہوا۔ علم فقہ اور دلائل فلاسفہ کے رد میں چند تصانیف بھی لکھیں۔

تمہارے پروردگار کے نزدیک پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

خلیفہ ناصر نے یہ آیات سنیں تو سر جھکا لیا، قاضی منذر نے سلسلہ کلام جاری رکھا اور مؤثر انداز میں خلیفہ کو نصیحت کی، یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور بعد میں اس نے ایوان کی چھت سے سونا چاندی اتروا دیا۔قاضی منذر بن سعید ہی نے ''مدینۃ الزہراء'' کے بارے میں یہ اشعار بھی کہے تھے، اور خلیفہ کو بھی سنائے تھے ؎

یا بانی الزهراء مستغرقا اوقاته فیها اما تهمل

له ما احسنها رونقا لو لم تکن زهرتها تذبل

اے زہراء کے بانی جس نے اپنے اوقات اس شہر میں غرق کر رکھے ہیں، کیا تم ٹھہر کر سوچتے نہیں؟

''مدینۃ الزہراء'' کی رونق کتنی حسین ہے، بشرطیکہ یہ پھول مرجھانے والا نہ ہوتا۔

ایک شاعر کے اشعار میں ''مدینۃ الزہراء'' کا تذکرہ

ایک شاعر نے قرطبہ کی تعریف کرتے ہوئے ''مدینۃ الزہراء'' کا تذکرہ بھی کیا ہے ؎

بِاَرْبَعٍ فَاقَتِ الْاَمْصَارَ قُرْطُبَة مِـنْهُنَّ قَنْطَرَةُ الْوَادِی وجَامِعُها

هَـاتَـانِ ثِنْتَانِ وَالزَّهْرَاءُ ثَالِثَةٌ وَالْعِلْمُ اَعْظَمُ شَیْءٍ وَهُوَ رَابِعُهَا

شہر قرطبہ چار چیزوں کی وجہ سے تمام شہروں سے برتر ہوگیا ہے۔ان میں ایک وادی الکبیر کا پل ہے، اور (دوسری) اس کی جامع مسجد ہے۔

یہ دو ہیں اور قصر الزہراء تیسری ہے، اور علم سب سے افضل ہے، اور وہ قرطبہ کی چوتھی چیز ہے۔

''مدینۃ الزہراء'' ۴۰/سال میں بنا مگر: ۳۵/بہار دکھا سکا

یہ عظیم الشان شہر جس کی تکمیل میں چالیس سال لگے تھے تکمیل کے بعد صرف: ۳۵/ سال اپنی بہار دکھا سکا، ۳۹۸ھ سے ملک میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اسی خانہ جنگی کے دوران ''مدینۃ الزہراء'' ایسا تباہ ہوا کہ اس کا تمام تر شکوہ وجلال آن کی آن میں خاک کا ڈھیر بن گیا۔ ۴۳۵ھ میں اندلس کے ایک وزیر ابولحزم وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ جو ''مدینۃ الزہراء'' کبھی بادشاہوں اور شہزادوں کا مسکن تھا، اب وہاں جنگل کے چرند پرند کا بسیرا ہے، یہ عبرتناک منظر دیکھ کر انہوں نے یہ مشہور اشعار کہے ۔

قلت یوما لدار قوم تفانوا ‫ ‫ این سکانک العزاز علینا؟

فاجابت ھنا اقاموا قلیلا ‫ ‫ ثم ساروا ولست اعلم اینا؟

میں نے ایک دن ان لوگوں کے گھر سے کہا جو فنا ہو چکے تھے: تمہارے وہ مکین کہاں ہیں جو ہمیں بہت عزیز تھے؟

اس نے جواب دیا وہ یہاں کچھ دیر ٹھہرے تھے، پھر چلے گئے، اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ (وہ) کہاں (ہیں؟)۔

''مدینۃ الزہراء'' کی کھدائی اور ''مجلس المونس'' کی اصلی حالت

۱۹۱۰ء تک ''مدینۃ الزہراء'' کا کوئی نام ونشان یہاں باقی نہ رہا تھا، لیکن ۱۹۱۰ء میں اس پہاڑ کے دامن میں ماہرین آثار قدیمہ کو کچھ نشانات ایسے دریافت ہوئے جن کی بنیاد پر انہوں نے یہاں کھدائی شروع کی، اور اس طرح اس عالی شان شہر کے یہ آثار دریافت ہوئے، ۱۹۱۰ء سے آج تک کھائی کا کام مسلسل جاری ہے، اور اس مدت میں شہر کے بہت سے حصے برآمد ہوگئے ہیں۔ اس پوری کھدائی کے درمیان قصر شاہی کا صرف ایک ایوان

بڑی حد تک اصلی حالت میں برآمد ہوا ہے جو ''مجلس المونس'' کہلاتا تھا۔ اسپین کی حکومت نے اس ایوان کو از سر نو اپنی اصلی حالت میں تعمیر کرنا شروع کیا ہے، اس ایوان کی محرابوں' چھتوں اور فرش کے ٹوٹے ہوئے پتھر کھنڈرات میں بری طرح بکھرے ہوئے پائے گئے تھے، اب ان پتھروں کو جوڑ کر دوبارہ ان کی جگہ پر فٹ کرنے کا کام بڑی دیدہ ریزی سے انجام دیا جا رہا ہے، اور اس کے نتیجے میں ''مجلس المونس'' کا ہال کافی حد تک اپنی اصلی صورت میں نظر آنے لگا ہے۔

اس ہال کے باہر ایک برآمدہ ہے جس میں کھڑے ہو کر وادی میں دور تک پھیلے ہوئے کھنڈرات نظر آتے ہیں، اور کے پیچھے حد نگاہ تک سبزہ زار پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں سے اندازہ ہوتا ہے کہ موسم' فضا' آب و ہوا اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے اس جگہ کا انتخاب کتنی خوش ذوقی سے کیا گیا تھا۔

''مدینۃ الزہراء کی کھدائی پوری ماہرانہ احتیاط کے ساتھ اب بھی جاری ہے، لیکن جتنا حصہ کھدائی کے نتیجے میں برآمد ہو چکا ہے، اس کا رقبہ بھی کافی طویل ہے۔

سرزمین زندلس میں عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا درخت

یہ اشعار جو عبدالرحمٰن اول کی تصنیف سے ہیں۔ تاریخ المقری میں درج ہیں، مندرجۂ ذیل اردو نظم ان کا ترجمہ ہے۔ درخت مذکورہ ''مدینۃ الزہراء'' میں بویا گیا تھا۔

میری آنکھوں کا نور ہے تو — میرے دل کا سرور ہے تو
اپنی وادی سے دور ہوں میں — میرے لئے نخل طور ہے تو
مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا — صحرائے عرب کی حور ہے تو
پردیس میں ناصبور ہوں میں — پردیس میں ناصبور ہے تو

غربت کی ہوا میں بارور ہو — ساقی تیرا نم سحر ہو
عالم کا عجیب ہے نظارہ — دامانِ نگہ ہے پارہ پارہ
ہمت کو شناوری مبارک — پیدا نہیں بحر کا کنارہ
ہے سوزِ دروں سے زندگانی — اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ
صبح غربت میں اور چمکا — ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ
مؤمن کے جہاں کی حد نہیں ہے — مؤمن کا مقام ہر کہیں ہے

قصرالزہراء ہی کے دامن میں اس کے بانی عبدالرحمٰن الناصرلدین اللہ کا ۲/رمضان المبارک ۳۵۰ھ میں ۷۳/سالہ کی عمر میں انتقال ہوا۔مزار کا کوئی پتہ نہیں۔[۲۱]

۲۱..... عبدالرحمٰن بن سلطان محمد جوانی میں بعمر بیس (۲۰) سال بادشاہ بنا، اس کے بادشاہ بننے سے بنی امیہ کی جان میں جان آئی، سب نے بخوشی اسے تسلیم کیا۔سخاوت' مروت' اور جرأت اور عدل وانصاف کے اوصاف سے متصف تھا۔تخت پر بیٹھتے ہی فوج کی تربیت شروع کی اور حکم نافذ کیا کہ جو شاہی حکم سے ذرا بھی انحراف کرے گا قتل کیا جائے گا، باغیوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔فوج کو مظبوط کیا، اس کی خوش اقبالی کے بغاوت کا زور کم ہوگیا۔ایک عیسائی ابن حفصون کے حملہ کا ارادہ کیا تو اس کے ہمنواؤں کو بھی حکمت اور عدل سے مسخر کرلیا۔ابن حفصون کے مرتے ہی قلعہ کو بلا جنگ کے فتح کرلیا، شکرانہ میں دوگانہ ادا کی، اوران عیسائیوں کو بھی جنہوں نے بغاوت اور ظلم کیا تھا معاف کردیا۔طلیطلہ شہر صرف باقی رہ گیا تھا، اسے فتح کرنا آسان نہیں تھا، مضبوط قلعہ اور جنگجو سپاہیوں نے کئی لشکروں کو ناکام کیا تھا، اس لئے عبدالرحمٰن نے اس کے قریب شہر ''الفتح'' آباد کیا، اور قلعہ کا مکمل محاصرہ کرلیا، جب رسد کے ذرائع مفقود ہوگئے تو طلیطلہ والوں نے اطاعت قبول کرلی۔اس طرح یہ شہر بھی فتح ہوگیا۔عدل میں مسلمان نصرانی اور یہودی سب کے ساتھ برابری برتی۔اٹھارہ برس کے بعد اندلس میں امن قائم ہوا، اس لئے اس نے خودغرضوں سے اختیارات چھین لئے۔حسب ذیل اصول قائم کئے:

(۱)......شاہی اقتدارات سلطان کے اور کوئی امیر کام میں نہیں لاسکتا تھا۔

(۲)......خاص اپنے معتمدین کو عہدوں پر قائم کیا تاکہ اور کوئی سازش نہ کرسکے۔

ایک عربی شاعر نے کسی باغ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اشعار کہے تھے وہ ''مدینۃ

(۳)......امرائے عرب جن سے سازش کا خوف تھا، سب کے اقتدارات سلب کر لئے۔
(۴)......فوج کی تعداد بڑھائی، اور ایک خصوصی باڈی گارڈ فوج قائم کی جن کے ہر سپاہی کو ایک جاگیر دی، اور حکم دیا کہ وہ اس آمدنی سے اپنی فوج تیار کرے، جو بوقت ضرورت شاہی فوج میں شریک کی جا سکے۔

مگر یہ بوڈی گارڈ فوج ملک کے لئے مضر ثابت ہوئی، جب اس کی قوت بڑھی تو وہ جسے چاہتے بادشاہ بناتے اور جسے چاہتے بادشاہت سے معزول کرتے۔

اندلس کو مضبوط کرنے کے بعد دو قوی بازو شمال اور جنوب (نصاری اور بنی فاطمہ) قوم بربر کو اس طرح فتح کیا کہ اس میں مذہبی فساد ڈال کر اور اس میں اختلاف پیدا کر کے انہیں اس قدر کمزور کر دیا کہ بغیر کشت وخون کے ملک بربر اس کے قبضہ میں آ گیا۔ بنی فاطمہ اندلس کو لینے کے بجائے اپنے قلعہ ''سوطا'' کو محفوظ نہ رکھ سکے، اور اس پر بنی امیہ کا پھریرا لہرانے لگا۔ ان ملکوں کی آمدنی سے دریائی بیڑوں کو سازوسامان سے آراستہ کیا اور آبنائے طارق اور بحر متوسط پر حکومت کرنے لگا۔ امیہ بن اسحاق کی نمک حرامی سے ایک بڑا معرکہ پیش آیا اور اس میں بڑی تعداد مسلمانوں کی شہید ہوئی، مگر بادشاہ کی جرأت و ہمت نے اس میں فتح حاصل کی، اور فتح کے بعد قریب و دور کی ریاستیں اس قدر خائف ہو گئیں کہ سب نے صلح میں عافیت سمجھی۔ عبدالرحمٰن کے ایک بیٹے نے جو پابند نماز و روزہ کی وجہ سے ''الزاہد'' لقب سے مشہور تھا، عبدالباری کے ورغلانے سے باپ اور چچا کے قتل سازش کی، بادشاہ کو پتہ چلا تو عید الاضحیٰ کے دن اسے قتل کر دیا، اور عبدالباری اس واقعہ کے سنتے ہیں جیل میں خودکشی کر کے ہلاک ہوا۔

عبدالرحمٰن نے ملک کی ذرائع آمدنی بھی خوب کی، چون (۵۴) لاکھ اسی (۸۰) ہزار دینار اصل مال گذاری داخل خزانہ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سات (۷) لاکھ پینسٹھ (۶۵) ہزار دینار مختلف ذرائع سے وصول ہوتے تھے۔ یہ تمام آمدنی ملک اور رعایا پر ہی خرچ کی جاتی تھی۔ خراج کی رقم فوج اور اعیان ملازمت سلطنت اور سلطان کے لئے مقرر تھی۔ بادشاہ کی وفات کے بعد ایک تحریر ملی اس میں لکھا تھا کہ:
''مجھے اس پچاس سالہ دور حکومت میں صرف چودہ روز آرام کے نصیب ہوئے ہیں'' پوری زندگی سلطنت کے انصرام میں صرف کر دی۔

علم دوست اور علماء کا قدردان تھا۔ مکان بنانے کی غرض سے ایک جگہ کو خریدنے کا حکم دیا، وہ یتیم

الزہراء‘‘ کے بارے میں بہت موزوں ہیں ؂

ولـمـا نزلنا منزلا طلّه الندی انیـقـا و بستانا من النور حالیا

اجد لنا طیب المکان وحسنه مـنـی فتمسنا ‘ فکنت الامانیا

جب ہم شبنم سے شاداب مقام اور گل وغنچہ سے مہکے ہوئے باغ میں اترے۔

تو حسن مقام نے ہمارے دل میں چند آرزوئیں پیدا کردیں، اوران آرزوؤں کی جان تمہیں تھے۔

بچوں کی ملکیت تھی، قاضی منذر البلوطی نے انکار کیا یتیموں کی جائداد تین شرطوں کے بغیر منتقل نہیں ہوسکتی، بادشاہ نے حکم قاضی مان لیا۔

فصد لینے کی غرض اپنے طبیب کو طلب کیا، طبیب چاہتا تھا کہ نشتر لگائے، دفعۃً ایک مینا اڑتی ہوئی مکان کے اندر آئی اور یہ اشعار اس قدر خوش آوازی سے پڑھیں کہ بادشاہ بھی پھڑک گیا ؂

ایها الفاصد رِفقًا بـامیـر الـمؤمِنِینا

انما تَفصِد عِرقا فیه مَحیا العالمینا

اے فصد کھولنے والے! امیر المؤمنین کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر،

تو جس رگ کو کھول رہا ہے اس میں جہانوں کی زندگی ہے۔

بادشاہ نے دریافت کیا: یہ مینا کس کی ہے؟ مینا نے خود بیان کیا کہ: میں مرجانہ والدہ ولی عہد الحکم مستنصر باللہ کی مینا ہوں، عبدالرحمٰن یہ سن کر اور زیادہ خوش ہوا۔

امیر المؤمنین عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ کی ولادت: ۲۷۷ھ میں ہوئی، اور ۲؍رمضان ۳۵۰ھ میں ۷۳؍سال کی عمر میں ’’قصر الزہراء‘‘ میں انتقال ہوا۔

جبل العروس

مدینۃ الزہراء کے ساتھ ''جبل العروس'' بھی واقع ہے، جس کے بارے میں تاریخ میں ہے کہ: جب ''مدینۃ الزہراء'' کی تعمیر مکمل ہوئی، اور ملکہ زہراء اس کے معائنے کے لئے خلیفہ ناصر کے ساتھ آئیں تو انہوں نے تعمیرات کو تو بے حد پسند کیا، لیکن ان تعمیرات کے ایک جانب سیاہ بدنماز پہاڑ نظر آیا تو خلیفہ سے کہا کہ: کیا یہ حسین وجمیل کنیز اس حبشی کی گود میں رہے گی؟ خلیفہ ناصر نے اس کے بعد اس پہاڑ سے بے ہنگم (غیر موزوں) درختوں کو اکھاڑ کر جگہ جگہ میوہ دار درختوں کے باغ لگا دیئے، جن سے یہ پہاڑ ایک دلہن کی طرح حسین ہو گیا، اور اسی لئے اس کا نام ''جبل العروس'' رکھ دیا گیا۔

ایک عربی شاعر نے کسی باغ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اشعار کہے تھے وہ ''جبل العروس'' کے بارے میں بہت موزوں ہیں ؎

ولما نزلنا منزلا طلّه الندی　　انیقا و بستانا من النور حالیا

اجد لنا طیب المکان وحسنه　　منی فتمسنا ' فکنت الامانیا

جب ہم شبنم سے شاداب مقام اور گل وغنچہ سے مہکے ہوئے باغ میں اترے۔

تو حسن مقام نے ہمارے دل میں چند آرزوئیں پیدا کر دیں، اور ان آرزوؤں کی جان تمہیں تھے۔

اشبیلہ

اندلس کے تاریخی شہر ''اشبیلہ'' کا مختصر تعارف، اس کا مشہور ''قصر القوازیر'' اور اس کے عجائبات، محل کے متصل باغ میں دنیا بھر کے پھلوں کے پودے، ''جرالڈا ٹاور'' ٹاور، بلند ترین مینار یعنی ''ٹورے ڈیل اورو'' کی تاریخ پر مشتمل مقالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

اشبیلہ

اشبیلہ اسپین کا ایک قدیم شہر ہے۔مشہور عالم علامہ اشبیلی رحمہ اللہ یہی کے تھے، ان کے علاوہ بھی اہل علم کا ایک بڑا قافلہ اسی شہر کی طرف منسوب رہا ہے۔ یہ شہر کسی زمانہ میں اندلس کا دار الخلافہ بھی رہا ہے۔وادی کبیر اسی شہر سے بہہ رہی ہے۔ یہاں زیتون اور مختلف قسم کے پھلوں کی وافر پیداوار ہے۔روئی کے کھیت بھی بکثرت ہیں۔۹۴ھ مطابق:۷۱۲ء میں اس پر مسلمانوں نے قبضہ کیا۔ یہ دریائے اعظم کے کنارے جنوب مغربی ساحل پر واقع ہے۔ صدر مقام میڈرڈ اس سے :۳۵۵ میل شمال مشرق کی سمت ہے۔ یہاں زیادہ تر مسلمانوں کی تعمیر کردہ قدیم عمارات ہیں، کئی مضبوط قلعے ہیں۔اسی لئے یہ شہر دنیا بھر میں مشہور ہے۔

اس کا ایک نام ''حمص'' بھی ہے۔اس وقت یہ شہر ''سیولہ'' (sevilla) نام سے مشہور ہے۔

اشبیلہ کے فاتح موسی بن نصیر نے یہاں عیسی بن عبداللہ کو پہلا حاکم مقرر کیا تھا، مگر موسی بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز نے اس پر چڑھائی کی اور عامل بنا۔اس کے قتل کے بعد قرطبہ نے مرکزی شہر کی حیثیت اختیار کر لی، تاہم اشبیلہ بھی اندلس کے متمول شہروں میں شمار ہوتا رہا۔عبدالرحمٰن ثانی نے اس شہر کے ارد گرد ایک پختہ فصیل اور بڑی مسجد بنوائی۔اسی کے عہد میں نارمن بحری لٹیروں نے: ۲۳۰ھ مطابق: ۸۴۴ء میں پہلی بار اس پر قبضہ کیا، چنانچہ اسے دوبارہ فتح کرنے کے بعد یہاں تیز رفتار جہازوں کا ایک بڑا بھی رکھا گیا۔عبدالرحمٰن ثالث کے دور میں یہ شہر امن وسلامتی کا گہوارہ تھا۔

۴۱۴ھ ۱۰۲۳ء میں عبادیوں کے خودمختار خاندان نے اسے اپنا پایہ تخت بنالیا۔محمد ثانی

المعتمد کے عہد میں اشبیلہ اپنے دور کے بہترین علماء وفضلاء کا مرجع بن گیا۔ بعد میں مغربی حکمران نے اس شہر پر قبضہ کر کے المعتمد کو جلاوطن کر دیا۔ ابو یوسف یعقوب بھی کافی مدت یہاں متمکن رہا۔ اسی نے ابن رشد جیسے نامور فلسفی کو قید کی سزا دی۔

یکم شعبان ۶۴۶ھ مطابق: ۱۶/نومبر ۱۲۴۸ء فرڈینڈ سوم نے اس شہر کو سولہ ماہ کے محاصرے کے بعد فتح کرلیا۔ مسلمانوں نے کئی بار اس شہر کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی، مگر سلطان ابوالحسن علی کی شکست کے بعد ہمیشہ کے لئے یہ شہر مسلمانوں سے چھن گیا، اور فرڈینڈ نے مسلمانوں کو اس علاقے سے نکال دیا۔ اس وقت میں بڑی عالیشان مساجد تھیں، اب ان کا نام ونشان بھی نہیں، یا ہیں تو کلیسا کی شکل میں ہیں۔

کولمبس کی دریافت امریکہ کے بعد یہ شہر ہسپانوی تجارت کا اہم مرکز بن گیا۔ امریکہ کی طرف جانے والے جہاز یہیں سے روانہ ہوتے تھے۔ ۱۸۰۰ء میں یہاں زرد بخار کی وبا پھیلی جس سے تقریباً تیس ہزار افراد موت کے گھاٹ اتر گئے۔

۱۸۱۰ء میں فرانسیسی فوج نے اس کو تاراج کیا۔ اب یہ شہر دنیا بھر کے سیاحوں کے لئے ایک پرکشش مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اشبیلہ کی موجودہ آبادی آٹھ لاکھ کے قریب ہے۔

اشبیلہ کا مشہور ''قصر القوازیر'' اور اس کے عجائبات

یہاں ''قصر القوازیر'' مشہور قصر ہے، یہ دوسری صدی میں تعمیر کیا گیا تھا، بادشاہوں اور ان کے اہل خاندان اور شاہزادوں کے لئے اس میں مختلف محلات بنائے گئے ہیں۔ یہ قصر اپنے حسن وشوکت میں الحمراء سے کم نہیں، بلکہ شاید کچھ زیادہ ہی ہے۔ بادشاہوں کی قدیم روایت کے مطابق یہاں بھی دیواریں قرآن کریم کی آیات، خصوصاً ﴿لا غالب الا الله﴾ کے نقوش سے مزین ہیں۔ مگر اب ہماری بدقسمتی سے آیت میں تشدید کی جگہ بجائے تشدید

کے صلیب کندہ ہے۔

گنبد بھی ملون اور سنہرے پن لیا ہوا۔عمدہ اور مہنگی لکڑی سے بنے ہوئے بڑے وزنی اور قیمتی دروازے ہیں جن پر سونے چاندی کی ملمع سازی نے اس کے حسن میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔قصر کے چاروں طرف بڑی نہریں جاری ہیں، بیچ میں ایک عمدہ نہر اور حوض بنائے گئے ہیں۔ جنت دنیوی کی یہ مثال لئے ہوئے محلات اپنے صنعت اور حسن میں لا ثانی اور قلم وزبان کے اظہار سے ماوراء ہیں۔

اس محل میں ایک انوکھی اور نرالی چیز یہ ہے کہ محل میں مختلف مقامات پر کوئی رقم مثلا:۱/۲/۳/وغیرہ مرقوم ہے، زائر کو کاونٹر پر ایک طرح کا موبائیل دیا جاتا ہے، جس میں یہ سارے نمبرات فٹ ہیں۔آدمی محل میں جس جگہ جا کر وہاں لکھا ہوا نمبر دباتا ہے تو اس جگہ کی پوری تفصیل، انگریزی اور مختلف زبانوں میں سنائی دیتی ہے، مثلا:

عمارت کی معلومات: اس کا بانی کون؟ بنا کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟ اس کے بنانے میں کس قدر خرچہ ہوا؟ سونا وچاندی کی کتنی مقدار اس میں صرف ہوئی؟ کس بادشاہ کی رہائش گاہ تھی؟ اور کہاں تھی؟

اس رکارڈنک کی ایک آواز مسلمان سامع وزائر کو غم کے آنسو رلانے کے لئے کافی تھی اور وہ یہ تھی کہ: یہ محل کس قدر شاندار ہے، اس کے گنبد کی رفعت کیا خوب ہے، اس کی دیواریں اور دروازے کتنے شاندار ہیں، کتنے حسین باغات اس میں بنے ہوئے ہیں۔ یہ سب کس نے بنائے؟ مسلمان بادشاہوں نے۔مگر یہ مال کثیر اور محنت شاقہ سے بنے ہوئے محلات کے آج ہم مالک ہیں۔

قرآن کریم کی یہ آیات ان واقعات کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں:

﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ، وَزُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ، وَ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ، كَذٰلِكَ قف وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ ۔(پارہ:۲۵۔سورۂ دخان،آیت نمبر:۲۸/۲۷/۲۶/۲۵)

ترجمہ:......کتنے باغات اور چشمے تھے جو یہ لوگ چھوڑ گئے، اور کتنے کھیت اور شاندار مکانات،اور عیش کے کتنے سامان جن میں وہ مزے کررہے تھے،ان کا انجام اسی طرح ہوا، اورہم نے ان سب چیزوں کا وارث ایک دوسری قوم کو بنادیا۔

اس محل کے ساتھ ایک باغیچہ ہے،اس کے ستون پراس کی تاریخ بنا: ۱۰۹۵ءمرقوم ہے۔اموی خلیفہ المعتمد بن عباد نے اسے قائم کروایا،المعتمد نے اس ستون پر یہ وصیت لکھوائی تھی کہ:

”اسی جگہ پر میری مالک حقیقی سے ملاقات ہو،اوریہی سے میں بروز قیامت اٹھوں“

مگرمختصر وقت ہی میں اشبیلہ سے خلافت اسلامی کا خاتمہ ہوگیا،اورالمعتمد کومراکش کی پناہ لینی پڑی،اوروہی اس کی آخری آرام گاہ بنی۔

یہ محل دن میں امورمملکت کا مرکز تھا اوررات کورقص،شراب نوشی اورموسیقی کا اڈہ بن جاتا۔

محل کے متصل باغ میں دنیا بھر کے پھلوں کے پودے

محل کے متصل باغ کی خصوصیت یہ تھی دنیا بھر کے پھل وہاں اگتے تھے، ہرطرح کے پھول کے پودے دنیا بھر سے منگوا کرانہیں اگایا گیا تھا، بادشاہ اپنی چاہت کا پھل کھاتا۔ اللہ ہی بہتر جانے اس زمانہ میں جب کہ تیز سواریوں کا آج کی طرح نظام نہیں تھا، کس طرح ان پودوں کو دنیا بھر سے جمع کیا گیا ہوگا؟

باغ میں چھوٹے چھوٹے جھونپڑے بنائے گئے ہیں، جہاں بوقت ضرورت آرام کیا

جا سکے۔ چہچہاتے ہوئے پرندوں کا عجیب سماں، ایک وسیع وعریض حوض، جس کی ساخت اس طرح ہے کہ محل کے اوپر سے اس پر پانی گرتا ہے، یہ منظر قابل دید ہوتا ہے۔

’’جرالڈاٹاور‘‘ ٹاور

یہاں سے کچھ فاصلہ پر بہت بلند ’’جرالڈاٹاور‘‘ ہے۔ علی غمارا معمار نے احمد بن باسونے کے حکم سے: ۱۱۸۴ء میں اسے بنایا، تقریباً چودہ سال اس کی تکمیل میں لگے۔

بلند ترین مینار یعنی ’’ٹورے ڈیل اورو‘‘

اسی شہر میں وادی الکبیر کے کنارے ایک بلند ترین مینار ہے جسے ’’ٹورے ڈیل اورو‘‘ کہتے ہیں۔ اس پر لکھا ہوا ہے: اسلامی دور حکومت میں یہاں سونے کی ٹائلسیں لگی ہوئی تھیں۔ اس مینار کا مقصد یہ تھا ’’وادی الکبر‘‘ میں آنے جانے والی کشتیوں نظر رکھی جا سکے۔

’’موڑ ایلڈز‘‘ (moral de hornuez) نامی ایک قدیم قلعہ

یہاں سے آگے ’’موڑ ایلڈز‘‘ (moral de hornuez) نامی ایک قدیم قلعہ ہے۔ اس قلعے کے ساتھ شہر اشبیلہ کی سب سے بڑی جامع مسجد تھی، اب تو وہ مسجد کلیسا بنا دی گئی ہے۔

مالقہ

مالقہ اندلس کا قدیم شہر ہے، جس کی تاریخ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد سے بھی پہلے تک پہنچتی ہے۔ مسلمانوں کے عہد میں یہ ایک مستقل صوبے کا مرکزی شہر تھا، اور آج بھی صوبہ مالقہ (malaga) کا دارالحکومت ہے۔

مسلمانوں کے عہد میں بھی یہ اندلس کی ایک اہم بندرگاہ اور تجارتی منڈی تھی۔ یہاں کی پیداوارر میں انجیر اور انگور پورے اندلس میں مشہور تھے۔ مٹی کے سنہرے برتنوں کی صنعت مالقہ کی ممتاز ترین صنعت سمجھی جاتی تھی، اور آج بھی اس کی یہ صنعت ملک بھر میں مشہور ہے۔ اس شہر میں مسلمانوں کی حکومت آٹھ سال قائم رہی۔ یہاں سے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے جو ''مالقی'' کی نسبت سے مشہور ہیں۔

ابوالحسن اور الزغل دونوں بھائی: ۸۸۸ھ سے ۸۹۱ھ تک عیسائیوں سے دست و گریبان رہے، یہاں تک کہ: ۸۹۱ھ میں دونوں بھائی عیسائیوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت کے بعد فرڈیننڈ سے اس شہر پر قبضہ کرلیا۔

مسلمانوں کے عہد میں مالقہ ایک اہم شہر ضرور تھا، لیکن غرناطہ اور قرطبہ جیسے شہروں کے مقابلے میں چھوٹا شہر تھا، لیکن آج صورت حال برعکس ہے۔ رقبے، آبادی اور تمدنی سہولیات کے لحاظ سے آج کا مالقہ قرطبہ اور غرناطہ سے کہیں بڑا شہر ہے۔ بندرگاہ اور بین الاقوامی ہوائی اڈے کی وجہ سے اس کی اہمیت موجودہ قرطبہ اور غرناطہ سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ مالقہ کا ساحل سمندر بھی بہت خوبصورت سمجھا جاتا ہے۔ اور یہاں کا موسم یورپ کے دوسروں ملکوں کے مقابلے میں زیادہ ٹھنڈا نہیں ہے، اس لئے یہ شہر سیاحت کا بھی بہت بڑا مرکز بن گیا ہے۔

اب مالقہ میں اسلامی عہد کے آثر ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آتے۔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے عہد کا ایک بازار ابھی تک موجود ہے جسے اب سبزی منڈی کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ مالقہ کی جامع مسجد جسے عیسائی تسلط کے بعد کلیسا بنالیا گیا تھا، اب کلیسا کی شکل میں شہر کی اہم قدیم عمارت ہے۔

اس کے علاوہ شہر سے کچھ دور شمالی جانب ساحل سمندر پر مسلمانوں کے دور کا ایک قلعہ ابھی محفوظ ہے، جسے ''حصن جبل فارہ''(gibral fara) کہا جاتا ہے۔

انتقیر ہ

مالقہ ایئر پورٹ کے مغرب میں چند میل کے فاصلے پر ساحل سمندر ہے۔اس کا نام (aniequerra) ہے۔یہ دراصل صوبہ مالقہ کے ایک قدیم شہر ''انتقیر ہ'' کی بگری ہوئی شک ہے، جو سمندر کے شمال میں بلدی پر واقع تھا۔کہتے ہیں کہ اسلامی عہد کی شہر پناہ کے کچھ آثار ابھی تک باقی ہیں، اور قریب کی ایک پہاڑی پر مسلمانوں کے دور کا ایک عالی شان قلعہ ابھی ابھی تک موجود ہے۔شہر کے مشرقی جانب ایک ٹیلہ ہے جس میں زمین کی سطح سے: ۶۵ ؍فٹ نیچا ایک تہ خانہ ہے۔یہ زمانہ قبل تاریخ کا ایک زمین دوز قبرستان سمجھا جاتا تھا۔شہر کے قریب جو پہاڑ واقع ہیں،ان میں سنگ مرمر کی ایک کان ہے۔

اس شہر کے لوگوں میں ابوبکر بن یحیٰ محمد انصاری،۲۲؎ حکیم انتقری ایک مشہور شاعر

۲۲؎......ابوبکر بن یحیٰ محمد انصاری ملقب بہ صائن الدین......قرطبہ میں ۴۸۷ھ میں پیدا ہوئے۔۵٦۷ عید کے دن وصال ہوا۔علم قرأت و دیگر علوم قرآنیہ وعلوم حدیث وفقہ اورنحو ولغت وغیرہ میں اپنے وقت کے امام مانے جاتے تھے۔محمد بن رازی، یحیٰ مدنی مصری اور ابو طاہر اصبہانی سے علم حدیث حاصل کی۔بغداد، دمشق اور موصل کے علماء سے استفادہ کیا۔تقوی اور کم گوئی میں مشہور تھے،ثقہ وصدوق کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ لئے ہوئے تھے۔حافظ ابن سمعانی جیسے اہل علم نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔درج ذیل اشعار بکثرت ورد زبان رہتے تھے ؎

جری قلم القضاء بما یکون   فَسَیّاَنِ التحرّکُ والسّکونُ

جنون منک ان تسعی لرزق   ویرزق فی غشاوته الجنین

جو کچھ ہونے والا ہے اس کے بارے میں قضا وقدر کا قلم چل چکا ہے، پس حرکت کرنا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنا دونوں برابر ہیں۔

تیرا پاگل پن ہے کہ روزی کے لئے دوڑ دھوپ کرے، حالانکہ جنین کو ماں کے پیٹ میں روزی دی جاتی ہے۔

گزرے ہیں۔

یہ شہر ۸۱۳ھ تک مسلمانوں کے زیرِنگیں رہا۔ بعد میں جب یہاں عیسائیوں کا تسلط ہو گیا تو مسلمانوں نے یہاں سے فرار ہو کر غرناطہ میں سکونت اختیار کی، چنانچہ قصر الحمراء کے قریب ایک محلّہ انہی کی نسبت سے آج بھی انتقیر ہ کے نام سے مشہور ہے۔

لیکن آج انتقیر ہ ایک تفریحی شہر ہے جو سر بفلک ہوٹلوں اور کرائے کے فلیٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ لوگ ساحل سمندر کا لطف اٹھانے کے لئے یہاں ہفتوں قیام کرتے ہیں۔ گرمی کے موسم میں یہ علاقہ سیاحوں سے بھر جاتا ہے۔

علمائے اندلس

اس مقالہ میں اندلس کے چند مشہور اہل علم و فضل کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔ سب کا احاطہ مشکل اور باعث طوالت ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

(۱)......امام عبداللہ بن فروخ فارسی قیروانی اندلسی

امام عبداللہ بن فروخ فارسی قیروانی:......۱۱۵ھ میں اندلس میں پیدا ہوئے۔۱۷۶ھ میں مصر میں وفات پائی۔آپ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام ثوری رحمہم اللہ کے رفقاء میں سے تھے۔

حضرت سلیمان بن مہران اعمش رحمہ اللہ سے حدیث کی سماعت کے لئے کوفہ تشریف لائے، مگر اس وقت موصوف کسی وجہ سے ناراض تھے اور درس حدیث کا شغل ملتوی کر دیا تھا، آپ ان کے دروازہ پر بیٹھ گئے، اپنی محرومی پر غور کر رہے تھے کہ اچانک ایک باندی دروازہ کھول کر باہر آئی اور آنے کی وجہ پوچھنے لگے، میں نے کہا: اجنبی مسافر ہوں اور اپنا آنے کا قصہ بیان کیا، اس پر باندی نے چند سوالات کئے، معلوم ہوا کہ وہ آپ ہی کی فروخت کی ہوئی باندی ہے، وہ تیزی کے ساتھ حضرت سلیمان بن مہران اعمش رحمہ اللہ کے پاس آئی اور آپ کا تذکرہ کیا، اس پر آپ کو گھر میں آنے کی اجازت ملی اور حدیث کی سماعت کا موقع ملا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت سے غیر مدون مسائل کی سماعت کی، جن کی تعداد تقریبا دس ہزار تھی۔

ایک مرتبہ آپ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے گھر میں تھے کہ اچانک ایک اینٹ گری اور آپ کے سر سے خون بہنے لگا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی دیت لے لو یا تین سو احادیث سن لو، آپ نے تین سو احادیث سننے کو ترجیح دی، اس طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تین سو احادیث سننے کی سعادت حاصل کی۔

(مستفاد: صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل۔حصول علم میں علماء ربانیین کے حیرت انگیز کارنامے ص۱۶)

(۲)......حافظ ابو عبد الرحمٰن بقی بن مخلد اندلسی

حافظ ابو عبد الرحمٰن بقی بن مخلد اندلسی:......کی ولادت ۲۰۱ھ میں ہوئی۔بیس سال کی عمر میں حصول علم اور امام احمد رحمہ اللہ کی ملاقات کے لئے بغداد کا پیدل سفر کیا۔یہی وہ محدث ہیں جنہوں نے امام حمد بن حنبل رحمہ اللہ کی آزمائش کے دور میں سائل بن کر ہاتھ میں لاٹھی اور سر پر ایک کپڑے کے ٹکڑے کو لپیٹ کر کاغذ اور دوات کو آستین میں چھپا کر دروازہ پر آواز لگاتے: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، کچھ دے دو!اس طرح روزانہ چند احادیث سن کر تین سو کے قریب احادیث حاصل کرلیں۔آپ کی وفات اندلس میں ۲۷۶ھ میں ہوئی، رحمہ اللہ۔

(مستفاد:صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم و التحصیل۔حصول علم میں علماء ربانیین کے حیرت انگیز کارنامے ص ۱۸)

(۳)......ابن عبد ربہ

ابن عبد ربہ......کی ولادت ۱۰/رمضان ۲۴۶ھ (۸۶۰ء) کی ہے۔علم حدیث اور فن تاریخ کے ماہر عالم تھے۔مانے ہوئے شاعر بھی تھے۔''عقد الفرید'' مشہور تصنیف ہے۔۳۲۸ھ (۹۴۰ء) میں وفات پائی۔قرطبہ کے بنی عباس مقبرہ میں مدفون ہیں۔

(۴)......یحیی بن یحیی بن کثیر اللیثی

یحیی بن یحیی لیثی اندلسی رحمہ اللہ......نے امام مالک رحمہ اللہ سے پہلے زیاد بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ سے اپنے شہر میں پوری ''مؤطا'' کی سند حاصل کی تھی۔بیس سال کی عمر میں سے امام مالک رحمہ اللہ سے ''مؤطا'' سنی۔امام مالک رحمہ اللہ سے کتاب الاعتکاف کے آخر کے چند ابواب کی بلا واسطہ سماعت نہیں فرمائی، وہ باب یہ ہیں: باب خروج المعتکف

للعيد ، باب قضاء الاعتكاف ، باب النكاح فی الاعتكاف ،ان تینوں بابوں کو زیاد بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔۱۷۹ھ میں جوامام مالک رحمہ اللہ کی وفات کا سال ہے،ان کی ملاقات امام مالک رحمہ اللہ سے ہوئی۔امام مالک رحمہ اللہ کی وفات کے وقت یہ وہاں موجود تھے،امام مالک رحمہ اللہ کی تجہیز وتکفین کی خدمت ان کونصیب ہوئی۔اندلس میں ہر شخص ان کی عزت کرتا تھا۔کمال علمی کے مشار الیہ ان کو ہی خیال کرتے تھے۔استفتاء کا انحصار ان پر سمجھا گیا تھا۔ان سے پہلے لوگ وہاں عیسی بن دینار رحمہ اللہ سے فتوی دریافت کرتے تھے۔انہیں دوشاگردوں کی وجہ سے امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک اندلس میں پھیلا۔یحی رحمہ اللہ کو عیسی رحمہ اللہ پر عقل میں برتری تھی،چنانچہ ابن لبابہ نے کہا۔

فقيه الاندلس عيسى بن دينار وعالمها ابن حبيب و عاقلها يحى

یعنی اندلس کے فقیہ عیسی بن دینار تھے،اور عالم ابن حبیب اور عاقل یحی تھے۔

ایک مرتبہ ہاتھی کے آنے کا شور ہوا،چونکہ عرب میں ہاتھی کو نہایت تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا ہے،حاضرین کے اکثر امام مالک رحمہ اللہ کی صحبت کو ترک کرکے ہاتھی کا تماشہ دیکھنے کو دوڑ پڑے،مگر یحٰی اپنی ہیئت وحالت کے ساتھ بیٹھے ہوئے فیض حاصل کرنے میں مشغول رہے،امام مالک رحمہ اللہ نے اسی وقت ان کو عاقل کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔

یحی اپنے علم وفضل کی وجہ سے بادشاہوں کی نظروں میں بھی عزیز تھے مگر عہدہ قضاء قبول نہیں کیا۔یحی مستجاب الدعوات تھے،وضع،لباس،ہیئت ظاہری اور نشست وبرخاست میں امام مالک رحمہ اللہ کا اتباع فرماتے تھے۔امام مالک رحمہ اللہ کے سے جو سنا اسی پر فتوی دیتے تھے،اس کے خلاف کو ناپسند کرتے تھے۔البتہ چار مسئلوں میں لیث بن سعد رحمہ اللہ کے مذہب کو اختیار فرماتے تھے:

اول یہ کہ......صبح کی نماز اور نیز دیگر نمازوں میں قنوت پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔
دوسرے یہ کہ......صرف ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کو روا نہیں رکھتے تھے۔
تیسرے یہ کہ......نزاع زوجین کی صورت میں حکم مقرر کرنے کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔
چوتھے یہ کہ......کاشت کی زمین کا کرایہ اس کے محصول سے لینا جائز جانتے تھے۔

یحی رحمہ اللہ کی وفات بیاسی (۸۲) سال کی عمر میں رجب ۲۳۴ھ میں ہوئی، قرطبہ میں مدفون ہیں۔

(۵)......شیخ عبد اللہ بن حمود زبیدی اندلسی

شیخ عبد اللہ بن حمود زبیدی اندلسی:......اندلس میں شیخ ابو علی القالی کے پاس رہ کر علم حاصل کیا، پھر مشرق کا سفر کیا۔ ابو علی فارسی کے صحبت سے بہت کچھ حاصل کیا، ایک مرتبہ ابو علی فجر کے لئے صبح اندھیرے میں جا رہے تھے تو شیخ عبد اللہ بن حمود جانوروں کے چارہ رکھنے کی جگہ کے کمرے سے نکل کر ان کے پاس دوڑے، آپ نے رات اسی کمرے میں گزاری تھی، صبح سویرے جلدی اس لئے اٹھے کہ درس میں دوسرے طلبہ سے سبقت لے جائیں، لیکن ابو علی ان سے گھبرا گئے اور کہنے لگے: تو کون ہیں؟ عرض کیا: میں عبد اللہ بن حمود ہوں، استاذ نے فرمایا: کب تک میرا پیچھا کرو گے؟ روئے زمین پر تجھ سے زیادہ نحو میں ماہر کوئی نہیں۔ اللہ کی شان حصول علم سے فراغت پر اندلس لوٹے، ابھی وطن کی مسافت میں ایک دو دن باقی تھے کہ کشتی کے غرق کا حادثہ پیش آیا اور ان میں آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی وفات: ۳۷۲ھ میں ہوئی، رحمہ اللہ۔

(مستفاد: صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل۔ حصول علم میں علماء ربانیین کے حیرت انگیز کارنامے ص۹۲)

(۶)......ابوعمرو بن عبدالملک الاشبلی قرطبی

ابوعمرو بن عبدالملک الاشبلی قرطبی :......اپنے زمانہ میں اندلس کے فقہاء کے شیخ شمار کئے جاتے تھے، درس وتدریس پوری زندگی آپ کا محبوب مشغلہ تھا، ایک دوست عید کے دن آپ کی ملاقات کے لئے آیا، گھر کا دوازہ کھلا تھا اس لئے اس نے باہر ہی انتظار کیا کہ دیکھ کر بلائیں گے مگر آپ مطالعہ میں اس قدر منہمک تھے کہ پتہ ہی نہ چلا، جب احساس ہوا تو معذرت چاہی اور فرمایا: ایک پیچیدہ مسئلہ میں الجھا تھا اس کو بغیر حل کئے ہوئے چھوڑنا گوارہ نہ ہوا، دوست نے عرض کیا: عید کے دن اور اعمال بھی مسنون ہیں؟ فرمایا: جب یہ نفس بلند ہوجاتا ہے تو معرفت کا عاشق ہوجاتا ہے، اللہ تعالی کی قسم! مجھے مطالعہ کے علاوہ اور کسی چیز میں لذت وراحت نہیں۔

اندلس میں علم کی ریاست ان پر ختم ہوگئی تھی، تمام فقہاء پر غالب آگئے تھے، بادشاہ کے فیصلوں کے خلاف بھی فتاوی دیئے۔ ۴۰۱ھ میں وفات ہوئی، رحمہ اللہ۔

(مستفاد: صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل۔ حصول علم میں علماء ربانیین کے حیرت انگیز کارنامے ص ۹۴)

(۷)......ابن الفرضی

عبداللہ بن محمد الفرضی قرطبی ...... کی ولادت ۳۵۱ھ (۹۶۱ء) میں ہوئی۔ علم فقہ اور حدیث کے عالم تھے۔ اندلس کے علماء اور شعراء کے حالات میں ایک کتاب لکھی، ابن بشکوال نے اسی کی تکمیل میں ''صلہ'' لکھی۔ ان کی تصانیف میں ''المختلف والمؤتلف'' اور ''مشتبہ النسبة'' بھی ہے۔ حج کے بعد عمر کا بڑا حصہ سیاحت اور علماء کی صحبت کے استفادے میں گذرا۔ وفات ۴۰۳ھ (۱۰۱۳ء) میں قرطبہ میں قتل ہوئے۔

(۸)......ابن عبدالبر

یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر قرطبی...... جمعہ کے روز ربیع الاول ۳۶۸ھ میں جس وقت امام خطبہ دے رہے تھے پیدا ہوئے، اگرچہ خطیب بغدادی ان کے معاصر ہیں، مگر ان کا علم حدیث کو طلب کرنا خطیب کی پیدائش سے پہلے تھا۔ حافظ منذری رحمہ اللہ سے بھی اجازت حدیث حاصل تھی۔ آپ اتقان میں اپنے زمانہ کے سردار تھے، فقہ' حدیث میں ان کی تالیف ''کتاب التمہید'' نادر روزگار کتاب ہے۔ ان کی تصانیف میں یہی ایک کتاب مالکی مذہب میں کافی ہے جن کی پندرہ جلدیں ہیں۔ بلاد مغرب کی بہت سیر کی، مگر اکثر قیام اندلس میں رہتا تھا۔ سوائے ان ستر اہل علم کے جو اس زمانہ میں یکتا تھے اور کسی کو نہ دیکھا اور نہ کسی سے علم حاصل کیا، اس کے باوجود ان کا علم خطیب، بیہقی اور ابن حزم سے کسی طرح کم نہیں تھا، بلکہ بعض علوم ان کے پاس ایسے تھے جو دوسروں کے پاس نہیں تھے۔ صدق' دیانت' حسن اعتقاد اور اتباع سنت جو ان کو حاصل تھا علماء میں سے بہت کم کو نصیب ہوا۔

ان کی عالی سند ''ابوداؤد'' کی وہ ہے جو عبداللہ بن محمد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابتدائی عمر اصحاب ظواہر سے تھے، پھر مالکی ہوئے۔ فقہ شافعی کی طرف بھی کچھ میلان تھا۔ ان کی کتاب ''الاستذکار'' مؤطا کی بہترین شروح میں سے ہے، یہ نہایت ضخیم شرح ہے، اگر جلی حروف سے تحریر کی جائے تو تیس جلدیں ہوتی ہیں۔ ایک کتاب علم ادب و روایت کی فضیلت میں بھی لکھی جو بہت نافع ہے۔ کتاب العقل والعقلاء ما جاء فی اوصافهم ، جمهرة الانساب ، الدرر فی اختصار المغازی والسير ، بهجة المجالس وغیرہ مفید تصانیف ہیں۔ ماہ ربیع الآخر: ۴۶۳ھ میں بمقام شاطبہ ان کا انتقال ہوا۔ ان کے چند اشعار قابل ذکر ہیں۔

تذکرت من یبکی علیّ مُداوما　　فلم ار الا العلم بالدین والخیر

علوم کتاب اللہ والسنن التی　　اتت عن رسول اللہ مع صحۃ الاثر

وعلم الاولی من ناقدیہ و فھمنا　　لما اختلفوا فی العلم بالرأی والنظر

میں نے ان چیزوں کو یاد کیا جو مجھ پر ہمیشہ بکا کرتی رہیں، تو میں نے دین اور حدیث کے سوا کسی اور چیز کو نہ پایا۔

یعنی اللہ کی کتاب اور ان حدیثوں کے علوم جو صحت نقل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو کر (ہم تک پہنچے ہیں)۔

ایک شعر میں یہ نصیحت فرمائی ؎

مقالۃ ذی نُصح و ذات فوائد　　اذا من ذوی الالباب کان استماعھا

علیکم بآثار النبی فانہ　　من افضل الرشاد اتباعھا

نصیحت والی اور فائدہ مند گفتگو (مان لو) جبکہ عقلمندوں سے اس کو سنا ہو۔

آپ ﷺ کی پیروی کو اپنے لئے لازم کرلو، کیونکہ آپ کی اتباع رشد کے اعمال میں سب سے افضل ہے۔

آپ جب اندلس کے مشہور شہر اشبیلہ گئے تو اہل اشبیلہ کی طرف سے وہ خاطر مدارات اور حسن سلوک جو مناسب تھا نہ دیکھا تو چند اشعار کہے ؎

تنکر من کنّا نسر بقربہ　　و صار زعاقا بعد ما کان سلسلا

حقّ لجارٍ لم یوافقہ جارہ　　ولا لایمتہ الدار ان یتحولا

بلیت بحمص والمقام ببلدۃ　　طویلا لعمری مخلق یورث البلی

واذا ھان حر عند قوم اتاھم　　ولم ینأ عنھم کان اعمی واجھلا

ولم تضرب الامثال الا لعالم و ماعوقب الانسان الا ليعقلا

جن کا قرب ہمارے خیال میں باعث مسرت سمجھا جاتا تھا وہ اجنبی ہو گئے، اور خوشگوار شیریں پانی ہونے کے بعد وہ گدلا اور کھاری ہو گیا۔

(اگر) کسی ہمسایہ کا پڑوسی اس کی موافقت نہ کرے، اور نہ گھر اس کا موافق ہو تو اس کے لئے وہاں سے کوچ کرنا مناسب ہے۔

میں حمص اور شہر میں اتنی لمبی مدت کے ساتھ قیام میں مبتلا ہوا، جو میری عمر کو پرانا کرنے والی اور مجھ میں بڑھاپا پیدا کرنے والی ہے۔

جب کوئی شریف کسی قوم کے پاس آ کر ذلیل ہوا، اور پھر ان سے دور نہ ہوا تو وہ اندھا اور جاہل ہے۔

کہاوت اور مثالیں جاننے والے کے لئے بیان کی جاتی ہیں، اور انسان کو سزا اسی لئے دی جاتی ہے کہ اس کو عقل آئے۔

(٩)......ابن حیان

ابومروان حیان بن خلف ابن حیان قرطبی......٣٧٧ھ(٩٨٧ء) میں پیدا ہوئے۔ اندلس کے نامی مؤرخین میں تھے۔ تاریخ اندلس پر ان کی دو کتابیں: ''کتاب المقتبس فی تاریخ الاندلس'' اور ''کتاب المبین'' (ساٹھ جلدوں میں) موجود ہیں۔ ابن حیان کی وفات ٤٦٩ھ(١٠٧٦ء) میں ہوئی۔

(١٠)......ابوالولید الباجی

ابوالویدالباجی مالکی......علم وفضل اور مشہور حفاظ قرآن میں سے تھے۔ آپ کا سن ولادت: ٤٠٣ھ(١٠١٢ء) ہے۔ ٤٢٦ھ میں بلاد شرقیہ کا سفر کیا اور تین سال مکہ معظّمہ میں مقیم رہے،

پھر بغداد آئے اور ابوطیب الطبری اور ابواسحاق شیرازی کی صحبت میں فقہ وحدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر موصل آ کر ابوجعفر السمنانی سے فقہ وحدیث کی تکمیل کی۔ بکثرت تصانیف یادگار چھوڑیں۔ ''المنتقی'' اور ''احکام الفصول'' اور ''التعدیل والتجریح'' زیادہ مشہور ہیں۔ حلب میں خدمت قضاء کو کئی سال تک انجام دیا۔ پھر اندلس میں بھی یہی خدمت سپرد ہوئی۔ ۴۷۴ھ (۱۰۸۱ء) میں وفات پائی۔

(۱۱)......ابوعلی الغسانی

ابوعلی الحسین محمد الغسانی الجیانی......کی ولادت ۴۲۷ھ (۲۰۳۵ء) میں ہوئی۔ حدیث وفقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اپنی مشہور تصنیف ''تقیید المھمل'' میں نہایت تحقیق سے ان راویوں کے ناموں کی صحت کی ہے جو صحیحین میں مذکور ہیں۔ یہ ایسا کام تھا کہ دنیائے اسلام کبھی اس کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ آپ نے مسجد قرطبہ میں مدۃ العمر حدیث کا درس دیا۔ اس درس میں عوام کے ساتھ خواص کی کثیر جماعت شریک ہوتی تھی۔ ۴۹۸ھ (۱۱۰۵ء) میں وفات پائی۔

(۱۲)......ابن بَشکُوال

ابوالقاسم خلف بن عبدالملک......کی ولادت ۴۹۴ھ (۱۱۰۱ء) میں ہوئی۔ قرطبہ کے نامی اور ذی علم شیخ تھے۔ اپنی عمر زیادہ تر اندلس کی تاریخ اور مشہور علماء کے حالات لکھنے میں صرف کی۔ ایک کتاب میں صرف ان لوگوں کا خاص ذکر کیا جن کا نام اکثر حدیث میں آتا ہے۔ تاریخ کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں۔ علماء اندلس کے حالات پر ان کی مشہور کتاب ''صلہ'' ہے۔ آپ کا سن وفات ۵۷۸ھ (۱۱۸۳ء) ہے۔

حافظ ابن بشکوال رحمہ اللہ شیخ ابوالقاسم رحمہ اللہ سے استفادہ کیا، اپنے استاذ کا تذکرہ

اپنی تاریخ کی کتاب ''الصلة''میں اس طرح فرماتے ہیں:

'' أحـمـد بـن مـحمد بن أحمد بن مخلد بن عبد الرحمن بن أحمد بن بقى بن مـخـلـد بـن يـزيد من أهل قرطبة يكنى : أبا القاسم ... وكان من بيئة علم و نباهة و فـضـل و صـيـانة ، وكـان ذاكـرا لـلـمسـائـل والـنـوازل ' درباً بالفتوى ' بصيرا بعقد الشـروط و عـلـلهـا ' مـقدما فى معرفتها ' أخذ الناس عنه واختلفت اليه وأخذت عنه بعض ما عنده ' وأجاز لى بخطه غير مرة''۔

موصوف کا تعلق انتہائی شریف' علمی اور پاکیزہ خاندان سے تھا، نت نئے مسائل کا خوب استحضار اور فتوی نویسی میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ شرائط اور علل حدیث میں بصیرت انتہاء کو تھی، لوگوں نے ان سے خوب علم حاصل کیا، میں نے بھی ان سے استفادہ کیا اور انہوں نے کئی مرتبہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے اجازت دی۔ موصوف کی ولادت: ۴۴۶ھ میں اور وفات ۵۳۲ھ میں ہوئی۔ (کتاب الصلۃ ص۱۳۴ ج۱۔ ط: دار الکتاب المصر ی)

شیخ ابو القاسم بقیۃ الشیوخ' محدث اندلس' فقیہ وقت ابو عبداللہ بن محمد بن الفرج قرطبی مالکی طلاعی (۴۰۴ھ۔۴۹۷ھ) کے شاگردوں میں سے تھے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''وكان شديدا على أهل البدع ' مجانبا لمن يخوض فى غير الحديت''۔

بدعتیوں کے سخت خلاف تھے، حدیث کے علاوہ دوسری ابحاث میں نہیں پڑتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ص۱۹۹ ج۱۹۔ کتاب الصلۃ ص۸۲۳ ج۳)

ابو بکر محمد بن خیر اموی اشبیلی رحمہ اللہ (۵۰۲ھ۔۵۷۵ھ) اپنی کتاب جو ''فہرست ابن خیر'' کے نام سے مشہور ہے، میں موصوف کی ''کتاب الاحکام'' کی سند ذکر کرتے ہیں، جو

اس بات کی شاہد ہے کہ شیخ ابوالقاسم اپنے استاذ ابوعبداللہ محمد بن الفرج رحمہ اللہ کے علوم کے حامل تھے، ملاحظہ ہو:

’’كتاب أحكام رسول الله صلى الله عليه وسلم ‘ تأليف الفقيه أبى عبد الله بن محمد بن فرج رحمه الله ، وكتاب الوثائق المختصرة من تاليفه أيضا ، حدثنى بهما الشيخ أبو القاسم أحمد بن محمد بن بقى رحمه الله قراء ة منى عليه فى منزله ‘ قال : حدثنى بهما أبو عبد الله محمد بن فرج مؤلفهما رحمه الله قراءةً عليه ‘‘۔

(فہرست ابن خیر ص ۲۴۶، ط: مؤسسۃ الخانجی، القاہرۃ)

اس کے بعد سند کا یہ سلسلہ کدھر جاتا ہے؟ چنانچہ فہرست ابن خیر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فقیہ ابوعبداللہ محمد بن الفرج روایت کرتے ہیں: ابوالولید یوسف بن عبداللہ بن المغیث (۳۳۸ھ۴۲۹ھ) سے، جن کا تذکرہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

’’ الامام الفقيه ‘ المحدث شيخ الاندلس ‘ قاضى القضاة ‘ بقيه الاعيان ‘‘۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۵۶۹ ج ۱۷)

اور یہ روایت کرتے ہیں مسند الاندلس ابوعیسی یحی بن عبداللہ اللیثی رحمہ اللہ (متوفی: ۳۶۷ھ) سے اور یہ اپنے والد کے چچا ابومروان عبیداللہ بن یحی لیثی رحمہ اللہ (۲۹۸ھ) سے جن کی قبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ: بقول حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے ’’اندلس میں ان کے جنازے سے بڑا کوئی جنازہ نہیں ہوا، حتی کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی ان کے جنازے میں شرکت کی۔ (تاریخ الاسلام ص ۹۷۹ ج ۶، ط: دار الغرب)

(۱۳)......امام اسماعیل القالی البغدادی القرطبی

امام اسماعیل ابوعلی القالی البغدادی...... کی ولادت ۹۰۱ء بمقام ارمینیا میں ہوئی۔ خلیفہ عبد

الرحمٰن نے ولی عہد الحکم کے اتالیق کی خدمت کے لئے ان کا انتخاب کیا تھا۔علم وفضل میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے۔آپ کی وفات قرطبہ میں ۷۹۶ء میں ہوئی۔

(۱۴)......ابن خلدون

عبدالرحمٰن ابن خلدون......کی ولادت تیونس میں: ۱رمضان ۷۳۲ھ کو ہوئی۔ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، ابوالحسن مرینی کے درباری علماء سے بھی استفادہ کیا۔بعد میں حکومتی عہدہ کا بھی موقع ملا، بادشاہ کا کاتب رہا۔ایک وقت آیا کہ عتاب شاہی کے سبب قید جانا پڑا، پھر غرناطہ کا رخ کیا۔جلد ہی ان جمیلوں سے تنگ آکر قلعہ ابن سلامہ میں گوشہ نشین ہوکر تاریخ عالم لکھنا شروع کی۔اس دوران تیونس اور قاہرہ کا بھی سفر کیا، قاہرہ میں قاضی کا عہدہ بھی سنبھالا، حج بیت اللہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔تیمور نے دمشق پر حملہ کیا تو بات کے لئے ابن خلدون کا انتخاب ہوا۔۱۴رجنوری ۱۴۰۱ءکورسی کی مدد سے قلعہ دمشق کی فصیل پر اترا،اور تیمور سے ملاقات کی، تیموران کی علمیت سے خاصا متأثر ہوا۔واپسی پر قاہرہ میں قاضی رہا اور یہی وفات ہوئی۔ابن خلدون کی ’’کتاب العبر‘‘اہم تاریخوں میں شمار ہوتی ہے۔ خصوصا اس کا مقدمہ علمی دنیا میں معرکۃ الآراء حیثیت کا مالک ہے۔اسی مقدمہ نے اسے بام شہرت تک پہنچا دیا۔اس کی تاریخ تو شاید اتنی مستند نہیں ،لیکن مقدمہ میں پہلی بار اس نے تاریخ وتمدن عالم کا سائنٹیفک تجزیہ کیا ہے،اوراس کے عروج وزوال کے بارے میں ایک واضح نظریہ پیش کیا ہے۔اس کے خیال میں تاریخ بذات خود ایک زندہ اور فعال شئی ہے، قومیں ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتیں،اس لحاظ سے ابن خلدون تاریخ کا بانی ہے۔مشہور مؤرخ ٹائن بی بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوا کہ:

’’عیسائی دنیا کی اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی،حتی کہ افلاطون،ارسطواورآگسٹن بھی

اس کے ہم پایہ نہ تھے‘‘۔

تعلیم کے بارے میں ابن خلدون اس چیز کو بڑی اہمیت دیتا ہے کہ متعلمین کی عزت کی جائے، نفس کو مجروح نہ کیا جائے اور جسمانی مار پیٹ سے حتی الامکان گریز کیا جائے، کیونکہ اس سے طلبہ میں اونچے اور حوصلہ مند جذبات پیدا نہیں ہوتے۔

عمرانیات یعنی انسان اور معاشرے کے تعلق کا مطالعہ کرتے ہوئے ابن خلدون نے ہی اس علم کا صحیح معنوں میں آغاز کیا ہے۔

ابن خلدون کی وفات: ۲۵/رمضان: ۸۰۸ھ (۱۲/مارچ ۱۴۰۶ء) میں ہوئی۔

(۱۵)......محمد بن یحیی بن لبابہ

یہ محمد بن یحیی بن لبابہ:......کنیت ابوعبداللہ اور نسبت بربری ہے، باشندگان اندلس میں سے تھے، وفات اسکندریہ میں ہوئی، وقت کے امام بااعتماد فقیہ تھے، مالکی مسلک رکھتے تھے، اپنے چچا محمد بن عمر بن لبابہ وغیرہ سے سماعت علوم کی، ابن لبابہ اپنے عہد میں مالکی مسلک کے سب سے بڑے حافظ تھے، شروط اور اس کی علل کے گہرے راز داں تھے، مگر ان کو علم حدیث سے واقفیت نہ تھی، ’’البیرہ‘‘ کے قاضی اور قرطبہ کی مجلس شوری کے ذمہ دار مقرر کئے گئے، پھر بعض اعتراضات کے تحت ان عہدوں سے معزول کردیئے گئے دوبارہ پھر مجلس شوری میں لے لئے گئے، خلیفہ ناصر اور فقہاء اندلس کے ساتھ ایک غیر معمولی حادثہ اس کا سبب بن گیا، پھر ان کو مجلس شوری میں دستاویزات کے محکمہ کے ساتھ دوبارہ واپس لے لیا گیا۔بعض تصانیف: ’’المنتخبة‘‘ ایک کتاب ’’وثائق‘‘ کی تفصیل میں فقہ اور فتاوی میں آپ کی کچھ اپنے مسلک کے علاوہ بھی اختیار کردہ آراء ہیں۔

(موسوعہ فقہیہ (مترجم) ص ۴۳۹ ج ۱۔ تراجم فقہاء)

(۱۶)......امام ابن سیدہ اندلسی لغوی

امام ابن سیدہ لغوی اندلسی:......نابینا تھے، لغت اگرچہ ایک مشکل اور دقیق فن ہے، اس کے باوجود اس فن میں ان کی کئی عمدہ تصنیفات ہیں جن میں ''المحکم'' اور ''المخصص'' اپنے موضوع میں عجیب اور بے نظیر کتابیں ہیں۔(العلماء العزّاب ''امت مسلمہ کے محسن علماء'' ص ۲۷۰)

علم تجوید اور علماء اندلس

علم تجوید میں بھی علماء اندلس کی خدمات مثالی ہے۔علم قرأت و تجوید میں سب سے پہلی تصنیف چوتھی صدی میں امام ابو محمد مکی ابن ابی طالب اندلسی رحمہ اللہ (م ۴۳۷ھ) کی ''عمدۃ الرعایۃ'' ہے۔

پانچویں صدی میں پچاس سے زائد کتابیں لکھی گئیں، ان میں سب سے مشہور اور مقبول علامہ شیخ ابو عمرو عثمان ابن سعید بن عمر الدانی اندلسی رحمہ اللہ (و:۳۷۱ھ م:۴۴۴ھ) کی ''جامع البیان'' ہے، جس میں پانچ سو طرق و روایات درج ہیں۔روئے زمین پر اس وقت قراءت آپ ہی کی سند سے پڑھی جاتی ہے۔

چھٹی صدی کی نرالی اور عجیب و غریب کتاب علامہ ابو القاسم شاطبی اندلسی رحمہ اللہ (و:۵۳۸ھ م:۵۹۰ھ) کی ''حرز الامانی و وجه التهانی'' المعروف بہ قصیدہ شاطبیہ ہے اس میں گیارہ سو تہتر (۱۱۷۳) اشعار ہیں۔(تجوید و قراءت۔مرغوب المسائل ص ۲۴۹ ج ۵)

مراجع

کتاب کا نام	مصنف کا نام
حیات الحیوان............	علامہ کمال الدین دمیری رحمہ اللہ........................
بستان المحدثین............	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ........................
خلافت اندلس............	مرحوم نواب ذوالقدر جنگ بہادر رحمہ اللہ........................
نقوش اقبال............	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ........................
کاروان زندگی............	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ........................
تاریخ اسلام............	مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی........................
آسان ترجمہ............	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم........................
اندلس میں چند روز............	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم........................
دیکھی ہوئی دنیا............	مفتی محمود بارڈولی صاحب مدظلہم........................
تذکرۃ المصنفین............	مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب قاسمی مدظلہم........................
اسلامی انسائیکلو پیڈیا............	سید قاسم محمود صاحب حفظہ اللہ........................
موسوعہ فقہیہ............	علماء کی جماعت ......وزرات اوقاف واسلامی امور، کویت
امت مسلمہ کے محسن علماء......	شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کی ''العلماء العزّاب'' کا اردو ترجمہ۔ مترجم: مفتی ثناء اللہ......مولانا عبیدالرحمٰن.....
حصول علم میں علماء ربانیین کے حیرت انگیز کارنامے......	شیخ عبدالفتاح کی 'صفحات من صبر العلماء' کا اردو ترجمہ: مترجم: مولوی یوسف، مولوی لطیف الرحمٰن، مولوی سراج......
مرغوب المسائل............	مرغوب احمد لاجپوری........................